اظہار محبت رسول ﷺ

شیخ الاسلام علامہ ابن رجب حنبلی (م ۷۹۵ھ) کی کتاب
"لطائف المعارف" کے تیسرے باب کا سلیس ترجمہ

ماہِ ظہور قدسی، ماہِ نجات دہندۂ انسانیت

ربیعُ الاوّل

اہمیت و جامعیت

معارف و نکات

اعمال و وظائف

مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی



ایصالِ ثواب: مرحوم حاجی محمد الیاس محمد حسین رمضان کاملی،
مرحومہ خدیجہ حجن و جملہ اُمتِ مسلمہ

نوری مشن، مالیگاؤں
اعلیٰ حضرت ریسرچ سینٹر مالیگاؤں

عالم وعارفِ ربانی، فقیہ اِسلام، امام احمد ابن رجب حنبلی (م ۷۹۵ھ)
کی مایۂ ناز کتاب **’لطائف المعارف‘** کے تیسرے باب کا ترجمہ

ماہِ ظہورِ قدسی، ماہِ عقیدت، ماہِ نجات دہندۂ انسانیت

ربیع الاوّل

اہمیت وجامعیت، معارف ونکات، اَعمال ووظائف

-: ترجمہ وترتیب :-

ابو رِفقہ محمد افروز قادری چریاکوٹی
دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، جنوب افریقہ

ناشر: **نوری مشن** مالیگاؤں

سلسلۂ اشاعت نمبر ۱۳۸

نام کتاب : (الموسم الثالث من) لطائف المعارف...

مصنف : اِمام زین العابدین عبدالرحمٰن بن احمد ابن رجب حنبلی [۷۹۵ھ]

نام ترجمہ : ربیع الاوّل: اہمیت وجامعیت، معارف ونکات، اعمال ووظائف

مترجم : ابو رِفقہ محمد افروز قادری چریاکوٹی عفی عنہ

دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

غایت : اظہارِ محبت رسول، فیوض ومعارفِ ربیع الاوّل، ترسیلِ برکاتِ میلاد

تصویب : مفکرِ اِسلام، مصلح ملت مفتی محمد عبدالمبین نعمانی قادری دام ظلہ

کتابت : مفتی دیارِ کوکن علامہ سید رضوان احمد رفاعی شافعی

صفحات : ۱۰۴

اشاعت اول: ۲۰۱۹ء/۱۴۴۱ھ (ممبئی)

اشاعت ثانی: ۲۰۲۲ء/ ۱۴۴۴ھ (مالیگاؤں)

قیمت : استفادہ ومطالعہ، دُعاے خیر

ناشر : نوری مشن مالیگاؤں

تقسیم کار : اعلیٰ حضرت ریسرچ سینٹر مالیگاؤں

مرکزِ ترسیل

مدینہ کتاب گھر، مدینہ مسجد، آگرہ روڈ مالیگاؤں (مہاراشٹر)

Cell. 9325028586, noorimission92@gmail.com

شرفِ انتساب

مکینِ گنبد خضرا صلی اللہ علیہ وسلم
کے جملہ سیرت نگاروں کے نام
جنھوں نے رسولِ رحمت، ختمی المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم
کی حیاتِ طیبہ اور ذاتِ مقدسہ کے ایک ایک گوشے کو
نہایت حزم واِحتیاط، بسط وتفصیل اور والہانہ پن کے ساتھ
حیطۂ تحریر میں لانے کے بعد اِس اِعترافِ عجز کے ساتھ قلم توڑ دیا کہ:
’حق تو یہ ہے کہ حق اَدا نہ ہوا‘

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجھک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

-: طالبِ عفو وکرم :-
محمد اَفروز قادری چریاکوٹی

فہرست مضامین

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

علامہ ابن رجب حنبلی - ایک نظر میں

اِسم گرامی: عبدالرحمٰن

مشہورنام: ابن رجب حنبلی

کنیت: ابوالفرج

القاب وخطابات: شیخ امام، عالم عامل، علامہ، زاہد، قدوہ، برکہ، حافظ، عمدہ، ثقہ، حجۃ، زین الملۃ والشریعہ والدنیاوالدین، شیخ الاسلام، یکے از اعلام، واعظ المسلمین، مفید المحدثین، جمال المصنّفین۔

ولادت: باختلاف ہفتہ ۱۵/ربیع الاوّل ۷۳۶ھ، مطابق ۴/نومبر ۱۳۳۵ء، بغداد۔

جدکریم: عبدالرحمٰن ابواحمد رجب بن حسن بن محمد (متوفی:۷۴۲ھ)

والدمحترم: ابوالعباس احمد بن رجب عبدالرحمٰن بن حسن بن محمد (متوفی:۷۷۴ھ)

سلسلۂ نسب: ابن احمد بن عبدالرحمٰن رجب بن حسن بن محمد بن مسعود سلامی بغدادی

وطن عزیز: دارالسلام، بغداد

جاے ہجرت: دمشق

عقیدہ: اَشعریہ **مذہب:** حنبلی

آغازِ تعلیم: ۷۴۴ھ

مشاہیر اَساتذہ: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن خباز (م ۷۵۶ھ) ...... ابراہیم بن داوٗد العطار (م ۷۵۲ھ) ...... محدث شہیر صدرالدین ابوالفتح میدومی (م ۷۵۴ھ) ...... محدث جلیل ابوالحرم محمد بن قلانسی (م ۷۶۵ھ) ...... عثمان بن یوسف (م ۷۵۷ھ) ...... ابن نقیب احمد بن لولو شافعی مصری (م ۷۶۹ھ) ...... علاء الدین احمد نووی (م ۷۴۹ھ) [یہ معروف امام شیخ ابو زکریا نووی [م ۶۷۶ھ] کے علاوہ ہیں]

وفات: ۴/رمضان المبارک یا ۶ رجب المرجب ۷۹۵ھ مطابق ۱۳۹۳ء دمشق۔

تدفین: ارضِ خمیریہ، دمشق کے اندر اپنے نجی باغیچے میں مدفون ہیں۔

کل مدت حیات: قریباً ۵۹ سال تین ماہ۔

تصانیف: ذیل علی طبقات الحنابلة ، شرح جامع ابی عیسیٰ الترمذی ، جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم ، فتح الباری فی شرح البخاری ، شرح حدیث ما ذئبان جائعان ، شرح حدیث أبي الدرداء 'من سلك طريقا يلتمس فيه علما' ، اختيار الاولی فی شرح حديث اختصام الملأالاعلی ، نور الاقتباس فی مشکوة وصية النبی ﷺ لابن عباس ، الاستخراج لاحکام الخراج ، القواعد الفقهية (أو القواعد الکبریٰ) ، القول المعذاب فی تزويج امهات اولاد الغياب ، مسئلة الصلوٰةيوم الجمعة بعد الزوال و قبل الصلوٰة ، نزهة الأسماع فی مسئلة السماع ، وقعة بدر ، اختيار الابرار ، اِستنشاق نسيم الانس من نفخات رياض القدس ، الاستبطان فيما يعتصم به العبد من الشيطان ، اهوال يوم القيامة ، البشارة العظمیٰ فی ان حظ المومن من النار الحمی ، کتاب التوحيد ، الخشوع فی الصلوٰة ، ذم الخمر وشاربها ، ذم المال و الجاه ، رسالة فی معنی العلم ، صفة النار والتحذير من دارالبوار ، الفرق بين النصيحة والتعيير ، فضائل الشام ، فضل علم السلف علی الخلف ،کشف الکربة فی وصف حال الغربة ، الکشف والبيان عن حقيقة النذور و الأيمان ، کفاية الشام بمن فيها من الاحلام ، الکلام علی لا اِله اِلا اللّٰه ، اللطائف فی الوعظ ، أحکام الخواتيم وما يتعلق بها ، إزالة الشنعة عن الصلوٰة بعد النداء يوم الجمعة ، الاستغناء بالقراٰن ، إعراب أم الکتاب ، إعراب البسملة ، الإلمام في فضائل بيت اللّٰه الحرام ، الايضاح والبيان في طلاق کلام الغضبان ، تحرير الفوائد وتقرير القواعد ، أهوال القبور وأحوال أهلها إلی النشور ، تسلية نفوس النساء والرجال عند فقد الأطفال ، تفسير سورة الفاتحة ، تفسير سورة الإخلاص ، تفسير سورة النصر ، الحکم الجديرة بالإذاعة من قول النبي: بعثت بالسيف بين يدي الساعة ، ذم قسوة القلب ، الرد علی من اتبع غير المذاهب الأربعة ، رسالة في تعليق الطلاق بالولادة ، رسالة في فتوی هلال ذی الحجة ، رياض الأنس ، سيرة عبدالملك بن عمر بن عبدالعزيز ، شرح حديث 'إذا کنز الناس الذهب والفضة' ، شرح حديث: إن أغبط أوليائي عندي ، شرح حديث زيد بن ثابت في الدعاء 'لبيك اللهم لبيك' ، شرح حديث عمار بن ياسر 'اللّٰه يعلمك الغيب' ، غاية النفع بشرح حديث تمثيل المومن بخامة الزرع ، شرح مولدات ابن الحداد ، شرح حديث يتبع الميت ثلاث ، شرح المحرر ، شرح علل الترمذي ، صفة النار وصفة الجنة ، العلم النافع ، صدقة السر وبيان فضلها ، قاعدة غم هلال ذي الحجة ، المحجة في سير الدلجة ، مختصر سيرة عمر بن عبدالعزيز ، مختصر فيما روي عن أهل المعرفة والحقائق في معاملة الظالم السارق ، منافع الإمام أحمد ، مشکل الأحاديث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة ، مکفرات الذنوب ودرجات الثواب الخير ، لطائف المعارف فيما لمواسم العام من الوظائف۔

کچھ کتاب کی بابت

زیرِ نظر کتاب 'ربیع الاوّل: اہمیت وجامعیت، معارف ونکات، وظائف واَعمال' دراصل عالم عامل، عارفِ کامل، شیخ الاسلام علامہ ابن رجب حنبلی کی مایۂ ناز محققانہ کتاب 'لطائف المعارف' کے تیسرے باب کا سلیس وبامحاورہ ترجمہ ہے۔ بارہ ماہ کے فضائل، مخصوص ایام کی خصوصیات اور روز وشب کے وظائف واعمال سے متعلق بہت سے علماے اَعلام اور عرفاے حق نے وقیع وجلیل کتب تحریر فرمائی ہیں، ان میں بعض مختصر ہیں، اور بعض قدرے مفصل۔ علامہ کی تفصیلی کتاب 'لطائف المعارف' اسی سلسلۃ الذہب کی ایک زرّیں کڑی ہے۔ اس موضوع کی بیشتر کتابیں چوں کہ اس کے بہت بعد لکھی گئیں؛ اس لیے یہ کتاب ایک مرکزی ماخذ کے طور پر ہرزمانے میں اہلِ علم وکمال کے ہاتھوں ہاتھ رہی۔

'لطائف المعارف' اسم بامسمّٰی کتاب ہے۔ علامہ موصوف نے اس میں علم وعرفان کے ایسے اَسرار ونکات سے پردہ اُٹھایا ہے جن کی طرف عموماً توجہ نہیں ہوتی۔ گویا پوری کتاب علوم ومعارف کا ایک بحرِ زخار ہے۔ ساتھ ہی علامہ نے انداز اتنا دلچسپ رکھا ہے کہ پڑھنے کے بعد ممکن ہی نہیں کہ بندے کے اندر تقرب اِلی اللہ اور طاعت وبندگی کی للک نہ پیدا ہو، اور وہ حیاتِ مستعار کے لمحے لمحے کی قیمت وصول کرنے پر آمادہ وسرگرم نہ ہوجائے۔

اللہ کے فضل وکرم سے کتاب کے نصف سے زیادہ حصے کا ترجمہ مکمل ہوچکا ہے، بقیہ حصوں پر بھی حسب فرصت وتوفیق گاہے بگاہے کام جاری ہے۔ اس بیچ ایک روز خیال آیا کہ پورے ترجمہ کی یک بارگی تصحیح کرانے سے بہتر ہے کہ جستہ جستہ اسے مرحلہ تصحیح وتصویب سے گزارا جائے۔ چنانچہ جب کتاب کے ایک معتد بہ حصے کا ترجمہ ہوگیا تو اپنی دیرینہ روایت کے مطابق اسے لے کر بغرضِ تصحیح مرشد گرامی حضرت علامہ مفتی محمد عبدالمبین نعمانی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی بارگاہ میں پہنچا۔ آپ نے کتاب دیکھنے کے بعد اُس کی تحسین واقعی فرمائی اور اسے اپنے موضوع پر ایک محققانہ، عارفانہ، حکیمانہ اور بے مثل کتاب قرار دیا۔

چند ماہ بعد جب افریقہ سے لوٹا اور تصحیح شدہ حصہ لینے کے لیے حضرت کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ مولانا! کتاب واقعی دلچسپ اور معلومات آفریں ہے؛ مگر اس کی ضخامت بہت زیادہ ہے۔ ایک ایک مہینے کا تذکرہ سوسو صفحات سے متجاوز ہے، اور نہ معلوم کب تک پورا ترجمہ مکمل ہوگا؛ اس لیے میری تو رائے یہ ہے کہ اِفادۂ عامہ کی غرض سے ہر ہر ماہ کو الگ کتابی شکل دے دینا چاہیے؛ تاکہ جیب وخاطر پر بار بنے بغیر وہ ہر باذوق قاری کے مطالعے کی میز تک رسائی پاسکے؛ نیز اس سے اہل علم کو کچھ اندازہ بھی ہوجائے گا کہ 'لطائف المعارف' اپنے اندر واقعی کیا کچھ اَسرار و معارف اور لطائف وکمالات رکھتی ہے۔

حضرت کا مشورہ نہایت قیمتی اور برمحل تھا؛ اس لیے تعمیل حکم میں کسی تاخیر کو راہ دیے بغیر 'ربیع الاوّل' والے حصے کو مرحلہ طباعت سے گزارنے کے لائق بنادیا گیا۔ اس سے قبل حضرت ہی کے مشورے سے نئے سال ۱۴۴۰ھ کی آمد پر کتاب کے اوّلین باب محرم الحرام کے اعمال ووظائف کو پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، جسے اہل علم وکمال نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور اس انفرادی پیش کش کی تحسین فرمائی۔

ربیع الاوّل کا مہینہ ہرچند کہ میلادِ رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے شہرۂ آفاق ہے، اور یقیناً یہی اس کا مایۂ امتیاز واختصاص ہے؛ لیکن اس مبارک مہینے کے اندر کچھ دیگر معارف ونکات بھی ہیں، جن کی طرف عموماً ہمہ وشمہ کی توجہ نہیں ہو پاتی؛ تاہم مصنف علام نے کھوج کھوج کر اس ماہ کے عجائب وغرائب اور حقائق ومعارف سے پردہ اُٹھانے کی جو سعی مشکور کی ہے وہ درحقیقت انھیں کا حصہ ہے۔ کتاب نکتہ رسی، لطائف بیانی، اور معارف آفرینی سے بھری پڑی ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ ربیع الاوّل کے تعلق سے یہ کتاب علم وعرفان کے بہت سے نئے اَبواب وا کرے گی، اور قارئین کے لیے اس میں دلچسپی کا بہت کچھ سامان ہوگا۔

ماہ ربیع الاوّل کی اہمیت واِنفرادیت

ماہِ ربیع الاوّل اِسلامی تقویم کا تیسرا اور اِنسانی تاریخ کا عظیم ترین مہینہ ہے۔ اہل علم

فرماتے ہیں کہ جس طرح ماہِ رمضان المبارک کواللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن حکیم کی عظمت وشان کے طفیل دیگر مہینوں پر اِنفرادیت و اِمتیاز عطا فرمایا ہے، اسی طرح ماہ ربیع الاوّل کے امتیاز اور شانِ علو کی وجہ بھی اس میں صاحب قرآن کی تشریف آوری ہے۔ یہ ماہِ مبارک بلاشبہہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے صدقے ایک انفرادی حیثیت کے ساتھ سال کے جملہ مہینوں پر نمایاں فضیلت اور اِمتیاز کا حامل ہے۔

تکوینی لحاظ سے بعض مہینے، چند اَیام اور کچھ لمحات ایک خاص قسم کے تقدس کے مالک ہوتے ہیں۔ ماہِ ربیع الاوّل بھی ان میں سے ایک ہے۔اس کی ایک وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ جب اِبتدامیں اس کا نام رکھا گیا تو اس وقت موسم ربیع یعنی بہار کا آغاز تھا۔مگر اولیاے الٰہی مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی ولادت باسعادت کی وجہ سے اس مہینے کو ربیع اور ’بہار‘ کا نام دیتے ہیں، کہ اسی ذاتِ مقدس کی وجہ سے ہر طرح کی ’سدا بہاری‘ قائم ہے۔ بلاشبہہ اس مہینے کی شرافت وکرامت دیگر تمام مہینوں سے بڑھ کر ہے، بلکہ یہ مہینہ درحقیقت دیگر مہینوں کے لیے ’بہار‘ ہے؛ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا نورانی وجود ’منبع فیوض وبرکات‘ بن کر اس میں ظہور پذیر ہوا۔

پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ماہِ ربیع الاوّل دوشنبہ کو پیدا ہوئے۔ ربیع الاوّل دوشنبہ کو آپ نے اعلانِ نبوت فرمایا۔ اسی دن ماہ ربیع الاوّل میں آپ نے ہجرت فرمائی، اور ربیع الاوّل ہی میں دوشنبہ کو آپ نے پردہ فرمایا۔ (دلائل النبوۃ، ابونعیم، رقم الحدیث:۹۱)

یہ سب کچھ ربیع الاوّل میں واقع ہونے کی بڑی حکمتیں ہیں کہ جب موسم بہار آتا ہے تو مردہ زمین زندہ ہوجاتی ہے۔سوکھے درخت پھر سے ہرے بھرے اور تروتازہ ہوجاتے ہیں۔ باغ وچمن کو اپنی کھوئی ہوئی رونق حاصل ہوجاتی ہے، اور خشک زمین میں پھر سے ہریالی اُگ آتی ہے۔اسی طرح اللہ جل مجدہ الکریم ماہ ربیع (موسم بہار) میں مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیج کر گویا یہ اِشارہ فرمارہا ہے کہ اے لوگو! یہ نبی محتشم جو تم میں تشریف لارہے ہیں...... یہ دلوں کی سوکھی کھیتیاں سرسبز وشاداب کرنے والے ہیں...... مردہ دلوں کو حیاتِ تازہ بخشنے والے ہیں...... عالم اِنسانیت کو طوقِ غلامی سے آزاد کرانے والے ہیں...... ظلم وستم کے

بوجھ تلے دبے ہوؤں کو رہائی دلانے والے ہیں......لوگوں کے دلوں کو محبت وسکون سے مزین کر کے حلاوتِ ایمان عطا فرمانے والے ہیں...... اور غفلت میں ڈوبے ہوئے دلوں کو یادِ الٰہی سے معمور کرنے والے ہیں۔ اَب تک تو حزن وغم کا ماحول تھا......ایک زمانے سے اُداسی چھائی ہوئی تھی......اور دورِ خزاں مسلط تھا؛ مگر اَب اُداسیوں کو خوشیاں عطا کرنے والے غم خوار تشریف لا چکے ہیں، اور اُن کی آمد سے ہر طرف بہار وقرار کی چاندنی بکھر چکی ہے۔

ذرا غور فرمائیں کہ وہ معاشرۂ عرب جو ظلم وستم کا نمونہ اور جہالت وجاہلیت کا مجموعہ تھا، جہاں ہر طرف اندھیرے کا راج تھا۔ شراب پانی کی طرح پی جاتی تھی۔ اَمیر آدمی کی بیٹی کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، اور غریب کی بیٹی کو زندہ رکھا جاتا، تاکہ اُمرا کی ہوس کو پورا کر سکے۔ طاقتور کمزور پر حاوی تھا اور غلام کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا کہ جسے دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔

الغرض! جرائم وخبائث اُن کے رگ وریشے میں رچ بس گئے تھے، اور جو اپنے گھناؤنے اَعمال اور اِنسانیت سوز کرتوت کی وجہ سے بلاشبہہ اِس لائق تھے کہ انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے، اور اُن کے وجود سے دھرتی کا سینہ پاک کر دیا جائے؛ مگر اللہ جل مجدہ الکریم کو اُن بے رحموں پر رحم آ گیا اور اُن پر ایسا فیضان وکرم ہوا کہ اس نے ماہِ ربیع کی آمد پر اُن کے ہاتھوں اپنی '**رحمت تمام**' تھما دی، اور نا آشنائے رحمت قوم کو فیاض وکریم پروردگار نے '**سارے جہان کی رحمت**' اُٹھا کر اُن کی جھولی میں ڈال دی۔ اور نجات دہندۂ انسانیت، فخر آدم وبنی آدم، محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن میں مبعوث کر دیا۔

یومِ میلادِ مصطفےٰ' کائناتِ انسانی کا ایسا تاریخ ساز اور عظیم ترین دن ہے کہ ویسا دن چرخِ کہن نے نہ کبھی دیکھا اور نہ صبح قیامت تک وہ دوبارہ دیکھ سکتا ہے؛ کیوں کہ اُس دن دست قدرت کا سب سے عظیم شاہ کار، وجود پذیر ہوا۔ آپ کا وجود بلاشبہہ اللہ کے خزانۂ نعمت میں سے سب سے عظیم وجلیل نعمت ہے۔ ہر چند کہ خداوند قدوس نے بہت سی نعمتیں زمین پر اُتاریں، اور اپنے بندوں کو عطا فرمائیں؛ مگر کہیں اس کا ذکر واِحسان نہ جتلایا؛ مگر جب اس '**نعمت کبریٰ**' کو

ظہور بخشا تو اس پر خصوصی اِحسان جتلایا؛ تاکہ دنیا والے اس نعمت کی قدر جانیں اور کسی طور اس کی ناقدری کے شکار ہو کر خسر الدنیا والآخرہ کے مصداق نہ بنیں۔

آج کا اِنسان اگر چاند کا سفر کر رہا ہے، تیز رفتار طیاروں سے دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے کر رہا ہے۔فون کمپیوٹر اور انٹرنیٹ جیسی سہولتوں کو حاصل کر رہا ہے تو اس میں بھی بنیادی طور پر ماہِ ربیع میں چمکنے والے اس ماہتاب ہی کا دخل ہے۔ نبی کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِنسانی فکر و ذہن کو ایسی جولانیت عطا کر دی ہے کہ تسخیر کائنات کے لیے وہ آگے ہی بڑھتا چلا جا رہا ہے۔یہی وجہ ہے کے ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عشق غیر فانی دولت بن چکا ہے اور مسلمان اس محبت کا بے پایاں اِظہار کرتے ہیں اور بارہ ربیع الاوّل کے موقع پر مختلف طریقے سے حسب توفیق اِظہار مسرت وفرحت کرتے ہیں، جو دراصل گوناگوں اِحسانات ونوازشات کا ہلکا سا شکرانہ ہے۔

پیغامِ ماہِ میلاد

ماہِ ربیع الاوّل جو محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا مہینہ ہے، اس کی آمد اہل اسلام کے ظاہر و باطن کی تطہیر و پاکیزگی کا ذریعہ ووسیلہ ہونا چاہیے۔ ہر سال یہ مہینہ ہمارے درمیان نمودار ہوتا ہے، اور ہم سے بیداریِ اُمت کا مطالبہ کرتا ہے، اور اِسلامی معاشرے کو اُسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہتا ہے؛ مگر کیا ہم نے کبھی اس کے مطالبات پر کان دھرنے کی زحمت گوارا کی! اگر نہیں، تو آیئے ہم:

☆ کوشش کر کے اپنی صورت وشکل، وضع قطع کو اِسلامی تہذیب کا آئینہ بنائیں۔

☆ ہاتھ، پاؤں اور زبان سے کسی کو اَذیت نہ دیں۔

☆ کسی بھی غریب ناچار مجبور کی مقدور بھر مدد کریں۔

☆ مظلوم کی حمایت، اور حق کی پاسداری کریں۔

☆ علما وحفاظ، اور ائمہ مساجد کی عزت وتوقیر کریں۔

☆ تعلیم کو عام کرنے میں بھرپور حصہ لیں۔

☆ اچھی اور نیک باتیں بلاجھجک؛ مگر شفقت واِحترام کے ساتھ دوسروں کو بتائیں۔

☆ اختلاف وانتشار سے بچنے اور بچانے کی پوری کوشش کریں۔

☆ دینی اسلامی کتابوں کا مسلسل مطالعہ کرکے علم میں اضافہ کریں۔

☆ بے حیائی، بے پردگی، اور عریانیت سے اِحتراز لازم رکھیں۔

☆ اولاد کو دینی تعلیم دیں۔

☆ جہاں کہیں رہیں، جس مجلس یا سوسائٹی میں رہیں، ایک سچے مسلمان بن کر رہیں۔

☆ اِسلامی تعلیمات اور آداب واخلاق کی عملی وزبانی تبلیغ میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں۔

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی ومدنی زندگی ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں، ان شاءاللہ مسائل ومشکلات کے حل اور برکاتِ دین ودنیا کے حصول میں اسے تیر بہدف پائیں گے۔

اللہ جل مجدہ الکریم کی بارگاہ میں عاجزانہ التجا ہے کہ وہ اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہماری دنیا وآخرت کو بہترین کردے۔ اور ایسے اعمال کی انجام دہی کی توفیق ہمارے رفیق حال کردے جس سے اس کی اور اس کے پیارے محبوب کی رضا وخوشنودی حاصل ہوجائے۔ نیز یہ کتاب مصنف، مترجم اور ناشر سب کے لیے توشۂ آخرت بنے۔ آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین علیہ وعلیٰ آلہ اکرم الصلوٰۃ وافضل التسلیم

عاصی وخاطی

محمد افروز قادری چریاکوٹی

جمعہ، ۲۱/ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ......یکم ستمبر ۲۰۱۸ء

ماہِ ربیع الاوّل کے وظائف واعمال

یہ چند مجالس پر مشتمل ہے۔

پہلی مجلس

میلادِ رسول اکرم ﷺ کے بیان میں

تخلیق آدم سے قبل نبوتِ محمدی کا وجود: امام احمد بن حنبل نے حضرت عرباض بن ساریہ السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنی عند اللّٰہ فی أم الکتاب لخاتم النبیین، وإن آدم لمنجدل فی طینته، وسوف أنبئکم بتأویل ذلک: دعوة أبی إبراهیم، وبشارة عیسیٰ قومَه، ورؤیا أمی التی رأت أنه خرج منها نور أضات له قصورُ الشام، وکذلک أمهات النبیین یرین .(۱)

یعنی میں اللہ کے نزدیک اُم الکتاب میں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب کہ ابھی آدم اپنے مٹی کے خمیر میں گندھے ہوئے تھے۔ اور میں عنقریب تم سے اس کا راز بیان کروں گا: میں (دراصل) اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں۔ میں عیسیٰ کی بشارت ہوں جو انھوں نے اپنی قوم کو دی تھی اور میں اپنی والدہ کا وہ خواب ہوں جو انھوں نے دیکھا تھا کہ ان سے ایک ایسا نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے اور اسی طرح کی چیزیں نبیوں کی مائیں بھی دیکھتی رہیں۔

امام حاکم نے اس کی تخریج کرتے ہوئے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ کچھ دیگر مرسل روایتیں اسی معنی میں حضرت ابوامامہ باہلی سے بھی آرہی ہیں۔

اس حدیث پاک کا مفاد یہ ہے کہ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اس

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۴/۱۲۷، ۱۲۸...... صحیح ابن حبان، رقم: ۲۰۹۳...... شرح السنۃ بغوی: ۱۳/۲۰۷۔

وقت بھی مذکور و معروف تھی جب ابھی آپ پیدا بھی نہ ہوئے تھے، اور عالم بشری میں بحالت حیات بھیجے نہ گئے تھے، لیکن اُم الکتاب میں آپ کی نبوت ثابت تھی، اور حضرت آدم کا حال یہ تھا کہ ابھی ان میں روح بھی نہ پھونکی گئی تھی۔

اُم الکتاب کیا ہے؟ حدیث میں مذکور لفظ 'اُمّ الکتاب' کی تشریح وتفسیر لوحِ محفوظ اور ذکر کے ساتھ کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

يَمۡحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثۡبِتُ وَعِنۡدَهٗۤ اُمُّ الۡكِتٰبِ . (سورۂ رعد: ۱۳/۳۹)

اللہ جس (لکھے ہوئے) کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) ثبت فرما دیتا ہے، اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ انھوں نے حضرت کعب احبار سے اُم الکتاب کی بابت اِستفسار کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ وہ کیا کیا چیزیں پیدا فرمائے گا اور اس کی مخلوق کیا کیا کرے گی؛ چنانچہ اس نے اپنے اس علم سے کہا کہ کتاب بن جا تو وہ ایک کتاب بن گئی۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم اور اَزلی ہے، اسے اس بات کا خوب پتا ہے کہ اس کو اپنی مخلوقات پیدا کرنا ہے، پھر اسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے پہلے اپنے پاس ایک کتاب میں لکھ لیا۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ . (سورۂ حدید: ۵۷/۲۲)

کوئی بھی مصیبت نہ تو زمین میں پہنچتی ہے اور نہ تمہاری زندگیوں میں؛ مگر وہ ایک کتاب میں (یعنی لوحِ محفوظ میں جو اللہ کے علم قدیم کا مرتبہ ہے) اس سے قبل کہ ہم اسے پیدا کریں (موجود) ہوتی ہے، بیشک یہ (علم محیط وکامل) اللہ پر بہت ہی آسان ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

’اللہ تعالیٰ تھا اس سے پہلے کوئی شے نہ تھی۔ اس کا عرش پانی پر تھا، اور ہر شے کو اس نے ذکر میں لکھ دیا، پھر آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق فرمائی‘۔(۱)

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

’اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زمین وآسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیریں تحریر فرمادیں، اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا‘۔(۲)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو کچھ اس ’ذکر‘ میں لکھا وہی ’اُم الکتاب‘ ہے کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں، اور اس وقت مخلوقات مرتبۂ علم سے مرتبۂ کتابت کی طرف منتقل ہوگئی جو وجودِ خارجی کی اَنواع میں سے ایک نوع ہے۔ چنانچہ حضرت سعید بن راشد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطا سے پوچھا کہ کیا حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پیدائش سے بھی پہلے نبی تھے تو انھوں نے فرمایا: ہاں! خدا کی قسم، وہ دنیا کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل بھی نبی تھے۔ اس بات کو حضرت ابوبکر آجری (م ۳۶۰ھ) نے ’کتاب الشریعۃ‘ میں نقل فرمایا ہے۔ نیز حضرت عطا نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ یہاں عطا سے مراد حضرت عطا خراسانی ہوں گے۔

اس سے یہ اِشارہ ملتا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اُم الکتاب میں لکھا ہوا ہونا تقدیروں کے مقدر کیے جانے کے وقت سے ہے اور حدیث مبارک میں آپ نے فرمایا کہ ’میں اللہ کے نزدیک اُم الکتاب میں (اس وقت بھی) خاتم النبیین تھا جب کہ ابھی آدم گندھی ہوئی مٹی میں تھے‘ اس سے یہ مراد نہیں ہوسکتا کہ وہ اس وقت اُم الکتاب میں خاتم النبیین لکھے گئے تھے بلکہ مراد اس بات کی خبر دینا ہے کہ حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُم الکتاب میں مکتوب تھے جب کہ آدم علیہ السلام کے اندر ابھی روح بھی نہ پھونکی گئی تھی۔ ہاں! نوعِ انسانی میں اُن کی پیدائش سب سے پہلے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

---

(۱) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۱۹۱۔

(۲) صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۶۵۳......سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۱۵۶۔

نیز ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ اس حالت میں آپ کے لیے نبوت واجب (ثابت) ہوچکی تھی۔ اور یہ تیسرا مرتبہ ہے، یعنی مرتبۂ علم اور مرتبۂ کتابت سے مرتبۂ وجودِ عینی خارجی کی طرف منتقل ہونا۔ پھر سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت آدم کی پشت سے نکالا گیا اور نبوت سونپی گئی؛ لہٰذا آپ کی نبوت خارج میں موجود ہوئی، ہر چند کہ وہ اُم الکتاب میں پہلے سے لکھی ہوئی تھی۔

حضرت میسرۃ الفجر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آیا ہے کہ 'میں نے ایک روز بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کب سے نبی ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: (میں اس وقت سے نبی ہوں کہ) جب ابھی حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔'(۱)

امام احمد وحاکم نے اسے نقل کیا ہے۔

امام احمد حضرت مُہنّا (بن یحییٰ شامی) کی ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے اُن سے یوں روایت کیا ہے: 'یارسول اللہ! آپ کو نبی کب لکھا گیا'؟ اب اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کو حضرت عرباض بن ساریہ کی حدیث سے ملا کر محمول کیا جائے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت، اس کا ثبوت اور اس کا ظہور خارج میں واجب ہوا؛ کیوں کہ کتابت کا اِستعمال ان چیزوں میں ہوتا ہے جو واجب ہوں یا تو شرعی اِعتبار سے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے :

کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ . (سورۂ بقرہ:۲/۱۸۳) تم پر روزے فرض کیے گئے۔

یا تقدیر کے لحاظ سے واجب ہو جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ . (سورۂ مجادلہ:۵۸/۲۱)

اللہ نے لکھ دیا ہے کہ یقیناً میں اور میرے رسول ضرور غالب ہوکر رہیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز بارگاہِ رسالت میں عرض کیا

---

(۱) مسند احمد:۵/۵۹...... حاکم مستدرک:۲/۶۰۸...... السنۃ لابن ابی عاصم، رقم الحدیث:۴۱۰۔

گیا: یارسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب سے ثابت ہے؟ تو آپ نے فرمایا: 'جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے'۔(۱)

اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کر کے اس کی سند کو حسن اور ایک دوسرے نسخے میں صحیح قرار دیا ہے۔ حاکم نے بھی یہ روایت ذکر کی ہے۔

ابن سعد، جابر جعفی سے اور وہ حضرت شعبی (م ۱۰۵ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ 'ایک آدمی نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! آپ کو نبی کب بنایا گیا؟ تو آپ نے فرمایا: جب کہ ابھی آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ اس وقت مجھ سے عہد لیا گیا'۔(۲)

اس روایت سے یوں معلوم ہو رہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر نبوت دی گئی اور اسی وقت عہد لیا گیا؛ تاہم اس سے یہ احتمال لازم آتا ہے کہ یہ اس بات پر دلیل ہو کہ حضرت آدم کی اولاد کو ان کی پشت سے نکالنا اور ان سے عہد کا لینا حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکنے سے قبل کا واقعہ ہو، جب کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی اس قسم کی روایت آرہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی بظاہر اس پر دلالت کر رہا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ . (سورۂ اعراف: ۷/۱۱)

اور بیشک ہم نے تمھیں (یعنی تمھاری اصل کو) پیدا کیا پھر تمھاری صورت گری کی، پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مجاہد (م ۱۰۲ھ) وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ذرّیت کو ان کی پشت سے نکالا گیا جب کہ ابھی فرشتوں کو سجدے کا حکم بھی نہ ہوا تھا؛ لیکن اکثریت سے اَسلاف اس بات کی طرف گئے ہیں کہ اولادِ آدم کو ان میں روح پھونکنے کے بعد نکالا گیا اور کثرت سے احادیث اسی موقف کی موید ہیں۔

---

(۱) سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۶۰۹...... مستدرک حاکم: ۲/۶۰۹...... اخبار اصبہان: ۲/۲۲۶۔

(۲) طبقاتِ کبریٰ، ابن سعد: ۱/۱۴۸...... مجمع الزوائد: ۸/۲۲۳۔

حضور باعث تخلیق کائنات ہیں: چنانچہ اَب یہ احتمال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان میں روح پھونکنے سے پہلے صرف سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخصیص ہو؛ کیوں کہ آپ کی ذات گرامی ہی نوعِ انسانی کی تخلیق کا مقصود و مدعا ہے اور آپ ہی بنی نوعِ انساں کا عین اور خلاصہ ہیں، اور ان کے پیدا ہونے کا واسطہ و وسیلہ ہیں؛ لہٰذا یہ بعید نہیں کہ آپ کو حضرت آدم کی پیدائش اور ان میں روح پھونکے جانے سے قبل ہی ان کی پشت سے نکالا گیا ہو۔

اِسم محمد کی دھوم: روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اسم محمد کو عرش پر لکھا دیکھا۔ اور اللہ عزوجل نے حضرت آدم سے فرمایا :

لولا محمّد ما خلقتک . یعنی اے آدم! اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔(۱)

اسے امام حاکم نے اپنی صحیح میں ذکر فرمایا ہے۔

تو پتا چلا کہ جب حضرت آدم کو مٹی کا پتلا بنایا گیا تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے نکال کر نبوت عطا کردی گئی تھی اور آپ سے عہد لے لیا گیا تھا۔ پھر آپ کو واپس حضرت آدم کی پشت کی طرف لوٹا دیا گیا، یہاں تک کہ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس وقت نکالا جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکالنا مقدر فرمایا تھا۔

خلقت میں اوّل بعثت میں آخر: اس کے ثبوت میں وہ روایت پیش کی جاسکتی ہے جو حضرت قتادہ (م ۱۱۸ھ) سے آرہی ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

كنت أوَّل النبيين في الخلق و آخرهم في البعث .

یعنی میں پیدائش میں سارے نبیوں سے پہلے ہوں اور مبعوث ہونے میں سب سے آخر میں ہوں، نیز ایک روایت میں ہے کہ ’میں پیدائش کے اعتبار سے تمام مخلوقات سے پہلے ہوں‘۔ ابن سعد وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے۔ امام طبرانی نے حضرت قتادہ سے، انھوں نے حسن سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ اور مرسل اشبہ ہے۔ اور اس روایت میں جو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے ہے مرسل ہے، پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی :

---

(۱) مستدرک حاکم: ۲/ ۶۱۵، وقال: ہٰذا حدیث صحیح الاسناد۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوحٍ وَّإِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ . (سورۂ احزاب:۳۳/۷)

اور (اے حبیب! یاد کیجیے) جب ہم نے انبیا سے ان (کی تبلیغ رسالت) کا عہد لیا، اور (خصوصاً) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ ابن مریم (علیہم السلام) سے۔

اس آیت کریمہ میں اِبتدا تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی ہے۔ پھر حضرت نوح کا ذکر ہوا، حالاں کہ وہ سب سے پہلے رسول ہیں۔ چنانچہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدائش کے لحاظ سے سب سے پہلے رسول ہیں اور دنیا میں بھیجے جانے کے اعتبار سے آخر رسول ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جب صورت بنائی گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی پشت سے نکال کر شرفِ نبوت سے نوازا گیا اور آپ سے عہد لیا گیا، پھر آپ کو واپس ان کی پشت کی طرف لوٹا دیا گیا۔

اوّل النبیّین وخاتم النبیّین: مذکورہ روایتوں کو مدنظر رکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت آدم کی پیدائش رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے پہلے معلوم ہو رہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم میں اس وقت روح نہیں پھونکی گئی تھی اور ان میں زندگی نہ تھی، جب کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی پشت سے نکالا گیا تو اس وقت آپ حالت حیات میں تھے۔ آپ کو نبوت دی گئی اور عہد لیا گیا؛ لہٰذا آپ ہی تخلیق کے اِعتبار سے اوّل النبیین ہیں۔ اور دنیا میں مبعوث ہونے کے لحاظ سے خاتم النبیین یوں ہیں کہ آپ کا زمانہ سارے نبیوں سے اخیر میں ہے۔

پھر آپ مقفّی بھی ہیں اور عاقب بھی، اور دونوں کا مطلب یہی ہے کہ جو نبیوں کے پیچھے آئے اور ان سب کے بعد مبعوث ہو۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّنَ . (سورۂ

احزاب: ۴۰/۳۳)

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں؛ لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیا کے آخر میں (سلسلۂ نبوت ختم کرنے والے) ہیں۔

قصرِ رسالت کی آخری اِینٹ: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مثلي ومثل الأنبياء كمثل رجلٍ بنى داراً فأكملها وأحسنها، إلا موضع لبنةٍ، فجعل الناس يدخلونها ويعجبون منها ويقولون: لولا موضع اللبنة.

–زاد مسلم– قال: فجئت فختمت الأنبياء.

یعنی میری اور دیگر انبیا کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کسی آدمی نے کوئی گھر بنایا، اور اس کے جمال و کمال میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، بس ایک اینٹ کی جگہ رہنے دی۔ تو جب لوگ اس میں داخل ہوتے ہیں تو اسے دیکھ کر محو حیرت ہو جاتے ہیں اور یہ کہے بغیر نہیں رہتے کہ کاش! اس ایک اینٹ کی جگہ بھی پوری کر دی گئی ہوتی!

امام مسلم نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: پھر میں نے آ کر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا۔(۱)

صحیحین ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی معنی میں ایک روایت یوں آئی ہے کہ حضور رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ’لوگ اس (خوبصورت محل) کے گرداگرد چکر لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی، تو میں ہی دراصل وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں‘۔(۲)

نبی پیدائشی ہوا کرتا ہے: امام احمد نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے متذکرہ بالا حدیث سے یہ اِستدلال کیا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزِ اوّل سے نورِ

---

(۱) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۵۳۴...... صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۲۸۷۔

(۲) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۵۳۵...... صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۲۸۶۔

توحید سے مزین رہے۔ جس نے اس کے علاوہ کوئی بات کہی امام احمد نے اس کا شدید رد فرمایا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ امام احمد نے اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہی نبی ہوئے تھے؛ کیوں کہ آپ کی نبوت اس وقت سے ثابت ہے جب کہ آپ سے عہد لیا گیا تھا اور جب کہ آپ کو حضرت آدم کی پشت سے نکالا گیا تھا تو آپ اس وقت بھی نبی تھے، اگر چہ آپ کا دنیا میں آنا اس کے بہت دیر بعد ہوا، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس سے پہلے آپ نبی نہ تھے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کو کسی جگہ کی ولایت (گورنری) دی جائے اور اس کو زمانۂ مستقبل میں وہاں تصرف کی اجازت دے دی جائے، تو اس طرح اس کے لیے ولایت اسی وقت سے ثابت ہوگئی جب اس کو ولایت دی گئی؛ لیکن اس کا تصرف ذرا دیر سے ہوگا جب اس کا وقت آئے گا۔

کیا حضور ﷺ اپنی قوم کے دین پر تھے؟ حضرت حنبل (م۲۷۳ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ یعنی امام احمد سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسا بھی سوچ سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہونے سے قبل اپنی قوم کے دین پر تھے؟ تو انھوں نے جواب دیا: اگر کسی نے ایسا سوچا تو بہت ہی برا سوچا، اور ایسا سوچنے والے کو چاہیے کہ ایسا سوچنا چھوڑ دے۔ ایسے شخص کے ساتھ اٹھک بیٹھک نہیں رکھنی چاہیے۔

میں نے عرض کی کہ میرے ایک پڑوسی ہیں، جو ابو العباس کا نام لے کر یہ کہتے ہیں کہ یہ ان کا قول ہے۔ تو امام احمد نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرے۔ اگر معاملہ ایسا ہے تو پھر کیا باقی رہ جاتا ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی قوم کے دین پر مانا جا سکتا ہے، جن لوگوں کا حال یہ تھا کہ وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ حالاں کہ اللہ جل مجدہ الکریم نے حضرت عیسیٰ کی زبانی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے :

وَمُبَشِّراً بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ . (سورۂ صف:۶۱/۶)

اور اس رسولِ (معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی (آمد آمد) کی بشارت سنانے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لا رہے ہیں جن کا نام احمد ہے۔

میں نے عرض کی کہ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضرت خدیجہ عہد جاہلیت پر تھیں، اور اسی حال میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا تھا۔ امام احمد نے فرمایا: میں اماں خدیجہ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، بس اتنا جانتا ہوں کہ وہ عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والی ہیں۔ پھر آگے فرمایا کہ (مجھے سمجھ نہیں آتی) لوگوں کو ایسی باتیں کہنے میں کیا مزہ ملتا ہے! یہ باتونی لوگ ہیں، اور بات فروش کبھی ظفریاب نہیں ہوتا۔ ایسی باتوں سے اللہ کی پناہ۔ پھر انھوں نے اس سلسلے میں مزید نکات ارشاد فرمائے جسے میرا ذہن محفوظ نہ رکھ سکا۔

ہاں! ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ ولادتِ نبوی کے وقت آپ کی والدہ نے ایسا نور دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے تھے۔ تو کیا یہ اس بات کی علامت نہیں ہے کہ نبوت پہلے سے مل چکی تھی اور آپ نبی مبعوث ہونے سے قبل بتوں کی آلودگی سے پاک ومنزہ تھے! کیا آپ کے اندر یہ بات نہ تھی کہ آپ تھان پر ذبح شدہ جانور نہ کھاتے تھے!! پھر انھوں نے فرمایا: ایسی باتوں سے بچو؛ کیوں کہ ایسی باتیں کرنے والوں کے نزدیک ان چیزوں سے کبھی خیر مقصود نہیں ہوتی۔ یہ روایت ابوبکر بن عزیز بن جعفر (م ۳۶۳ھ) نے 'کتاب السنہ' میں ذکر کی ہے۔

امام احمد کی مراد یہ ہے کہ تمام انبیا کو جو تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت ملی تھی اور جو آپ کی ولادت کے وقت نشانیاں دیکھی گئیں، ان سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ آپ اپنے دنیا میں تشریف لانے اور پیدائش سے پہلے نبوت سے سرفراز ہو چکے تھے، یہی وہ بات ہے جس پر حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کر رہی ہے، جس میں یہ بات موجود ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اس وقت بھی ثابت تھی جب کہ آدم علیہ السلام ابھی گندھی ہوئی مٹی میں تھے، اور ابھی ان میں روح نہ پھونکی گئی تھی۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس وقت دنیا میں بھیجا گیا تو اس بارے میں آپ کے تین شرف حدیث میں ذکر کیے گئے ہیں جس کی بابت کچھ اشارہ تو حدیث عرباض میں گزرا، بقیہ نکات عنقریب بیان کیے جائیں گے۔

دعاے براہیمی نبوتِ مصطفےٰ کی دلیل اوّل:

مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی پہلی دلیل اور نبوت کا پہلا شرف حضرت اِبراہیم علیہ السلام کی دعا ہے، جو انھوں نے اور ان کے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے بعد کی تھی، جسے قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے :

رَبَّنَا تَقَبَّلُ مِنَّا إِنَّکَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ، رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ وَأَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّکَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ، رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِکَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَيُزَکِّيْهِمْ إِنَّکَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَکِيْمُ . (سورۂ بقرہ:۲/۱۲۷تا۱۲۹)

اے ہمارے رب! تو ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمالے، بیشک تو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنے حکم کے سامنے جھکنے والا بنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک امت کو خاص اپنا تابع فرمان بنا اور ہمیں ہماری عبادت (اور حج کے) قواعد بتادے اور ہم پر (رحمت و مغفرت) کی نظر فرما، بیشک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔ اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے (وہ آخری اور برگزیدہ) رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے (کر دانائے راز بنادے) اور ان (کے نفوس وقلوب) کو خوب پاک صاف کردے، بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی دعا قبول فرمالی اور اہل مکہ میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان اَوصاف سے مزین تھا، جن کے لیے حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے دعا کی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مومنین پر بہت بڑا اِحسان ہے کہ انہی صفات سے متصف رسول بھیجا جن کی دو جلیل القدر نبیوں نے دعا کی تھی۔

بعثت مصطفےٰ اہل ایمان پر احسانِ عظیم: ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوا :

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَکِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَإِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ .

(سورۂ آل عمران:۳/۱۶۴)

بیشک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا اِحسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

ایک اور مقام پر فرمایا :

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ، وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ.

(سورۃ جمعہ: ۶۲/۲ تا ۴)

وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (باعظمت) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھیجا وہ ان پر اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں، بیشک وہ لوگ اِن (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ اور ان میں سے دوسرے لوگوں میں بھی (اِس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تزکیہ و تعلیم کے لیے بھیجا ہے) جو ابھی ان لوگوں سے نہیں ملے (جو اس وقت موجود ہیں یعنی اِن کے بعد کے زمانہ میں آئیں گے)، اور وہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔ یہ (یعنی اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد اور اِن کا فیض وہدایت) اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ ان اوصاف وخصائص کا حامل کوئی دوسرا پیغمبر مکے میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ پہلے نہیں بھیجا گیا۔ آپ حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہیں، جب کہ بنی اسرائیل کے انبیا حضرت اسحٰق کی نسل سے ہوئے۔ اللہ جل مجدہ نے آپ کو بطورِ رسول بھیج کر اہلِ ایمان پر جو احسانِ عظیم کیا ہے، اس کا ذکر پاک پروردگار نے خود کلام مقدس میں فرمایا ہے۔ بلاشبہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت سے بڑھ کر مومنین کے حق میں کوئی بھی نعمت بڑی نہیں ہوسکتی، جنھوں نے حق کی طرف رہ نمائی فرمائی اور اہل ایمان کو صراطِ مستقیم پر گامزن فرمایا۔

اُمیّین سے کیا مراد ہے؟ مذکورہ آیت میں اُمیین سے مراد اہلِ عرب ہیں۔ اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ نعمت بڑی ہی عظیم ترین ہے کہ اہلِ عرب اُمی تھے، ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی اور نبوت کے آثار میں سے ان کے پاس کوئی نام ونشان نہ تھا، جیسا کہ اہلِ کتاب کے پاس کتاب بھی تھی اور نشانیاں بھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرب کے پاس کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیج کر بڑا احسان فرمایا ہے کہ تمام اُمتوں سے افضل اور تمام اُمتوں سے بڑھ کر عالم قرار پائے، نیز پچھلی اُمتوں کی گمراہی کو بھی پہچان لیا۔

اہلِ عرب کے اُمی ہونے میں دو فائدے ہیں: **پہلا فائدہ** یہ ہے کہ جس طرح اہلِ عرب اُمی تھے تو ان میں نبی بھی اللہ تعالیٰ نے اُمی ہی بھیجا کہ آپ نے نہ کوئی کتاب پڑھی تھی، اور نہ اپنے دست مبارک سے کوئی چیز لکھتے تھے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَمَا كُنتَ تَتْلُوْ مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ . (سورۃ العنکبوت: ۲۹/۴۸)

اور (اے حبیب!) اس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہیں پڑھا کرتے تھے، اور نہ ہی آپ اسے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔

اور نہ کبھی مکہ معظّمہ سے باہر تشریف لے جا کر کسی کے ہاں ٹھہرے تھے کہ یہ گمان ہوتا کہ وہاں سے کچھ سیکھ کر آئے ہیں بلکہ اُمی قوم کے درمیان ہمیشہ اُمی رہے، (منشاے خداوندی کے تحت) لکھنے پڑھنے سے سروکار نہ رکھا، یہاں تک کہ آپ کی حیاتِ طیبہ کے چالیس سال مکمل ہوگئے، پھر آپ کو کتابِ مبین یعنی قرآن مجید عطا کی گئی۔

ہمارا یہ دین بلاشبہہ بڑا مضبوط اور ہماری شریعت بڑی مستحکم ہے، اس کا اعتراف دنیا کے ماہرین نے بھی کیا اور دیکھنے والوں نے یہ کہے بغیر کوئی چارہ نہ پایا کہ اس کائنات میں اس سے بڑھ کر کوئی ناموسِ اعظم (اور شریعت وقانون) نہ آیا۔ یہ بہت بڑی دلیل ہے آپ کی سچائی پر۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جن لوگوں میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا گیا وہ باوجود اُمی ہونے کے آپ کے نسب، آپ کے شرف، آپ کی صداقت، آپ کی امانت، اور آپ کی عفت کو اچھی طرح جانتے تھے اور یہ چیزیں ان میں بہت

مشہور تھیں۔ آپ کو کوئی ہرگز جھوٹا نہیں کہہ سکتا تھا تو جو انسان کبھی لوگوں پر جھوٹ نہ بولے تو وہ اللہ تعالیٰ پر اِفترا کیسے کرسکتا ہے، یہ بالکل غلط ہے، یہی وجہ ہے کہ ہرقل آپ کے اَوصاف کے بارے میں پوچھ کر آپ کی نبوت اور سچائی کا قائل ہو گیا تھا۔

قرآن کی عقلی ونقلی صداقت: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہدایت بنیاد ہے: یَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ یعنی ان کو نازل کردہ آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں جسے قرآن مجید کہا جاتا ہے۔ قرآن صحف سماویہ میں سب سے بڑا صحیفہ ہے، جس میں علوم، حکم، مواعظ، قصص، ترغیب وترہیب، اَخبارِ ماضیہ، بعث بعد الموت، حشر ونشر، اور جنت ودوزخ کی خبریں ہیں۔

قرآن حکیم کے علاوہ ایسی کوئی کتاب نہیں جس میں یہ تمام باتیں بتمام وکمال موجود ہوں یہاں تک کہ بعض علما نے اس بات کا اِعتراف کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ کتاب صحرا میں پائی جاتی اور یہ معلوم نہ ہوتا کہ کس نے یہاں رکھی ہے، پھر بھی صحیح سوچ رکھنے والی عقلیں اس بات کی گواہی دیتیں کہ یہ کتاب اللہ جل مجدہ کی طرف سے نازل فرمودہ ہے۔

کسی اِنسان کے بس میں نہیں کہ ایسی کتاب پیش کرسکے، اور آج اس کی سچائی میں کوئی شک ہی نہیں رہا، جب کہ یہ مخلوق میں سے سب سے سچے، نیک، اور متقی انسان کی طرف سے لوگوں کو سنائی جاتی ہے اور وہ اپنی زبان مبارک سے بتارہے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور تمام دنیا والوں کو پکار پکار کر کہا جارہا ہے اس کی طرح کوئی سورت بنالاؤ، لیکن آج تک کوئی قرآن مجید کی سورتوں جیسی سورت نہ بناسکا؛ لہٰذا اس کے کتاب اللہ ہونے میں کوئی شک باقی نہ رہا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ. (سورۂ بقرہ: ۲/۲)

(یہ) وہ عظیم کتاب ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔

اور فرمایا:

أَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّآ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ. (سورۂ عنکبوت: ۵۱/۲۹)

کیا ان کے لیے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر (وہ) کتاب نازل فرمائی ہے جو

اُن پر پڑھی جاتی ہے (یا ہمیشہ پڑھی جاتی رہے گی)۔

اگر مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی پر دلالت کرنے کے لیے (قرآن کے علاوہ) دیگر معجزات نہ بھی ہوتے، تب بھی صرف قرآن آپ کی سچائی کے ثبوت کے طور پر کافی ہوتا! جب کہ آپ کے زمینی اور آسمانی معجزات تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ جنھیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

تزکیۂ نفس اصل کامیابی ہے: پچھلی آیت میں مذکور 'وَيُزَكِّيهِمْ' کا مطلب یہ ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ ومومنین کے قلوب کا تزکیہ وتطہیر فرماتے ہیں۔ انھیں شرک کی آلودگیوں اور فسق وفجور کی غلاظتوں سے پاک کرتے ہیں؛ کیوں کہ نفوس کا تزکیہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ ان کو گندگیوں سے پاک کیا جائے۔ چنانچہ جس کے نفس کا تزکیہ ہوگیا بلاشبہہ وہ فلاح پا گیا۔ اِرشادِ رب العزت ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا. (سورۂ شمس: ۹۱/۹)

بیشک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کرلیا۔

اور فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى. (سورۂ اعلیٰ: ۸۷/۱۴)

بے شک وہی بامراد ہوا جو (نفس کی آفتوں اور گناہ کی آلودگیوں سے) پاک ہوگیا۔

پھر فرمایا: 'وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ' تو یہاں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے الفاظ کی تلاوت وقراءت سکھاتے ہیں۔ اور حکمت سے قرآن کے معانی ونکات اور ان پر عمل کرنا مراد ہے۔ لہٰذا محض کتاب اللہ کے کلمات کی تلاوت کرلینا اور ان کے معانی سے بے بہرہ رہنا، نیز ان کے مقتضیات پر عمل پیرا نہ ہونا کفایت نہیں کرتا۔ ہاں! جس نے یہ تمام چیزیں پالیں گویا اسے حکمت مل گئی۔ اسی تناظر میں ارشادِ رب العزت ہے:

يُؤتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا.

(سورۂ بقرہ: ۲/۲۶۹)

(اللہ) جسے چاہتا ہے دانائی عطا فرما دیتا ہے، اور جسے (حکمت و) دانائی عطا کی گئی، اسے بہت

بڑی بھلائی نصیب ہوگئی۔

اربابِ علم اور اصحابِ حکمت میں فرق: حضرت فضیل (م۱۸۷ھ) فرماتے ہیں کہ اہلِ علم تو بہت زیادہ ہیں؛ لیکن حکما کی قلت ہے۔ اور آگے فرمایا کہ حکما ہی دراصل وارثین انبیا ہیں۔ لہٰذا حکمت وہ نفع بخش علم ہے جس کی اتباع عمل صالح کرتا ہے۔ یہی وہ نور ہے کہ جب دل میں ڈالا جاتا ہے تو آسمانی علوم کے معانی سمجھ میں آجاتے ہیں، اور ان علوم کی اِتباع اور ان پر عمل کا داعیہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

اور جس نے حکمت سے سنت مراد لی ہے وہ بھی درست ہے؛ کیوں کہ سنت بھی قرآن ہی کی تفسیر ہے۔ سنت سے کلام اللہ کی توضیح و تفہیم ہوتی ہے اور یہی قرآن کی اتباع اور اس پر عمل کے لیے آدمی کو تیار کرتی ہے۔ ابوعتاہیہ نے کتنے پتے کی بات کہی ہے ؎

وکیف تحب أن تدعی حکیما　　وأنت لکل ما تھوی رکوب

وتضحک دائبا ظھرا لبطن　　وتذکر ما عملت فلا تتوب

یعنی تو خود حکیم کہہ کر بلائے جانے کو کیسے پسند کرتا ہے حالاں کہ تو ہر من چاہی بات کی طرف دوڑ پڑتا ہے۔ اپنی باطنی حالت کو ظاہر کرتے ہوئے تو ہر وقت ہنستا رہتا ہے، اور تجھے اپنی روسیاہیوں کا علم ہونے کے باوجود توفیق توبہ نصیب نہیں ہوتی!

نزولِ قرآن سے گمرہی کی گرد چھٹ گئی: آگے فرمایا: ﴿وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ اس سے اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لوگ قرآن نازل ہونے سے قبل کھلی گمراہی میں تھے۔ اُس وقت جب اللہ تعالیٰ نے اہل زمین پر نگاہ فرمائی تو دنیا گناہ گاروں سے بھری ہوئی تھی، کیا عربی اور کیا عجمی سب کا برا حال تھا، سوائے چند اہل کتاب کے کہ انھوں نے اپنے دین کو تبدیل و تحریف سے محفوظ رکھ کر خود کو حق پر قائم رکھا تھا؛ لیکن ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی، جب کہ بیشتر اہل کتاب کی حالت یہ تھی کہ انھوں نے کتاب میں ردو بدل کردیا تھا، اور اس میں مجرمانہ تحریف کے مرتکب ہوبیٹھے تھے، اور اپنے دین میں انھوں نے ایسی باتیں شامل کردی تھیں جو اس میں نہ تھیں، چنانچہ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کی گمراہی کا بھی سبب بنے۔

جب اہلِ کتاب کا یہ حال تھا تو غیر اہلِ کتاب کا حال کیا رہا ہوگا، آپ خود سوچ سکتے ہیں! عربوں کی حالت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ وہ بتوں کی پرستش میں مست تھے۔ مجوسی آگ کی پوجا کرنے میں مگن تھے اور دو خداؤں کو مانتے تھے۔ یہی حال باقی دنیا والوں کا بھی تھا کہ کوئی ستاروں کی پرستش کرتا، اور کوئی چاند وسورج کے آگے ماتھے ٹیکتا، ایسے تاریک دور میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے ایک نورِ ہدایت کا انتظام کیا اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین حق اور کتاب برحق کے ساتھ مبعوث کیا۔ پھر ان کی روشنی ایسی پھیلی کہ مشرق ومغرب کے کونے کونے روشن ہوگئے۔

جس وقت روئے زمین شرک وظلم کی تاریکی سے بھری پڑی تھی اس وقت اللہ تعالیٰ نے توحید وعدل کا پرچم دے کر اپنے محبوب کو زمین پر بھیجا۔ اُمیین در اصل اہل عرب تھے اور آخرین سے مراد اہل فارس وروم تھے۔ فارسی لوگ عقیدتاً مجوسی اور رومی نصرانی تھے، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان تمام لوگوں کی مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمہ گیر رسالت کے ذریعہ توحید کی طرف رہنمائی فرمائی۔

ظہورِ قدسی اور ایمان کا سویرا: حضرت امام احمد بن حنبل کو بعد از وصال خواب میں دیکھ کر اُن کا حال پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اگر یہ (ہمارے پیارے) نبی نہ ہوتے تو ہم مجوسی ہوتے۔ اور واقعتاً بات ایسی ہی ہے جیسی انھوں نے فرمائی؛ کیوں کہ اگر اہل عراق تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے اَنوار کو نہ پاتے تو دین مجوسیت ہی پر ہوتے۔

یوں ہی اگر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہ لاتے تو شامی، مصری اور رومی لوگ دین نصرانیت ہی پر قائم رہتے۔ ایسے ہی اگر آفتابِ رسالت محمدی جزیرۂ عرب کے اُفق پر نہ چمکتا تو وہ بھی بتوں کے سامنے ماتھے ہی ٹیک رہے ہوتے؛ لیکن اللہ رب العالمین نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما کر اپنے بندوں پر رحم فرمایا اور ان کو گمراہی کی غار سے نکال کر حق وہدایت کی شاہ راہ پر لا کھڑا کیا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ. (سورۂ انبیاء:۲۱/۱۰۷)

اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔

ایک اور مقام پر فرمایا :

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ۔ (سورۂ جمعہ:۶۲/۴)

یہ (یعنی اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد اور اِن کا فیض وہدایت) اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

چنانچہ جس شخص کو اِسلام میں سے کچھ حصہ مل گیا تو سمجھیں اس کو بہت بڑا فضل حاصل ہو گیا، اور اس پر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہو گئی۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ اس نعمت کا جتنا ہو سکے شکریہ اَدا کرے اور مرتے دَم تک اس پر ثابت رہنے کی منت و دعا کرے۔ جب ہمیں خاتمہ بالخیر کی دولت نصیب ہو جائے گی تبھی سمجھیں کہ یہ نعمت اپنے کمال کو پہنچے گی۔

بعثت مصطفیٰ سے ملت براہیمی کا اِحیا و اِتمام: حضرت ابراہیم علیہ السلام حنفا کے اِمام ہیں، سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ سے ماقبل نبیوں کو اُن کی اِقتدا و اتباع کا خصوصی حکم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو لوگوں کا اِمام بنا دیا تھا۔ جس وقت حضرت ابراہیم اور آپ کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہما السلام نے مل کر (بنائے کعبہ کی تکمیل کے بعد) بارگاہِ خداوندی میں دعا کی تھی کہ اے اللہ! اہل مکہ میں انہی میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو اِن اِن پاکیزہ اَوصاف کا حامل ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی دعا کو شرفِ قبول عطا کی، اور اہل مکہ میں حضرت اسماعیل بن ابراہیم کی اولاد میں سے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے وقت میں جلوہ آرائے عالم ہوتے ہیں جب کہ دنیا والوں پر دین حنیف کی قدریں مٹنے لگی تھیں؛ چنانچہ آپ نے تشریف لا کر دین براہیمی اور ملت حنفی کا اِحیا و اتمام فرمایا۔ لہٰذا حضرت ابراہیم سے آپ کو تمام لوگوں سے بڑھ کر مناسبت وقربت تھی، جیسا کہ قرآن گواہی دے رہا ہے :

اِنَّ اَوۡلَی النَّاسِ بِاِبۡرٰہِیۡمَ لَلَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُ وَ ہٰذَا النَّبِیُّ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۔ (سورۂ آل عمران:۳/۶۸)

بے شک سب لوگوں سے بڑھ کر ابراہیم (علیہ السلام) کے قریب (اور حق دار) تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے ان (کے دین) کی پیروی کی ہے اور (وہ) یہی نبی (ﷺ) اَور (ان پر) ایمان لانے

والے ہیں۔

حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن لكل نبي وليا من النبيين وإن وليي إبراهيم .

یعنی ہر نبی کا نبیوں میں سے ایک ولی ہوتا ہے اور میرے ولی ابراہیم ہیں۔(۱)

پھر آپ نے اس ضمن میں مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے اُن سے بہت زیادہ مشابہت ومماثلت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہونے میں بھی آپ کو ان سے مشابہت تھی۔ اِرشادِ رسالت مآب ہے :

إن الله اتخذني خليلا كما اتخذ إبراهيم خليلا .

یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی خلیل بنایا جیسے اس نے ابراہیم کو خلیل بنایا تھا۔(۲)

نوید عیسیٰ، نبوتِ مصطفےٰ کی دلیل دوم:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل ثانی اور دوسرا شرف حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہے۔ حضرت عیسیٰ بنو اسرائیل کے آخری پیغمبر ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِىٓ إِسْرَائِيلَ إِنِّى رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِى مِنْ بَعْدِى اسْمُهُ أَحْمَدُ . (سورۂ صف:۶۱/۶)

اور (وہ وقت بھی یاد کیجیے) جب عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) نے کہا: اے بنی اِسرائیل! بیشک میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں، اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس رسولِ (معظم ﷺ) کی (آمد آمد) کی بشارت سنانے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لا رہے ہیں جن کا نام (آسمانوں میں اس وقت) احمد (ﷺ) ہے۔

عیسائیوں کے لیے دعوتِ فکر: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ماننے والوں کو اتباعِ محمدی کی ترغیب دیتے اور فرماتے تھے کہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلوار کے ساتھ مبعوث

---

(۱) سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۹۹۵...... مستدرک حاکم: ۲۹۲/۲...... مسند احمد: ۴۰۱/۱۔

(۲) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۴۱۔

ہوں گے؛ لہٰذا (کائنات کی) کوئی شے تمھیں اُن کی اتباع سے روکنے نہ پائے۔ حضرت عیسیٰ ہی کا فرمان ہے کہ میں عنقریب جانے والا ہوں اور میرے فوراً بعد وہ نبی آئیں گے؛ لہٰذا کوئی ان کی دعوت سے پیچھے نہ رہے۔ ورنہ جب وہ تلوار سونت لیں گے تو تمھیں خواہی نہ خواہی اُن کے دین میں داخل ہونا ہی پڑے گا۔

مسند احمد میں حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ (م ۳۲ھ) سے حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث مروی ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ میں تمھارے بعد ایک ایسی اُمت بھیجوں گا کہ اگر ان کو کوئی خوش کن بات پہنچے گی تو وہ میری تعریف اور میرا شکر کریں گے، اور اگر ان کو کوئی ناپسندیدہ بات پہنچے گی تو وہ ثواب کی نیت کرکے صبر کرلیں گے۔ اُن میں نہ تو حلم ہوگا اور نہ علم ہوگا۔ حضرت عیسیٰ نے تعجب سے پوچھا: اے پروردگار! جب ان میں حلم وعلم نہ ہوگا تو ایسے بھلے کام وہ کیسے کرسکیں گے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ان کو اپنے حلم وعلم میں سے حصہ عطا کروں گا۔

(معروف ومستند سیرت نگار) حضرت ابن اسحٰق (م ۱۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ: مجھ سے کسی صاحب علم نے ذکر کیا کہ حضرت عیسیٰ کا اِرشاد ہے: تمام اُمتوں میں پسندیدہ ترین اُمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُمت احمد ہے۔ ان سے پوچھا گیا: آپ ان کی کون سی فضیلت ذکر کریں گے تو فرمایا کہ ان کی زبانوں پر کلمہ لا الٰہ إلا اللّٰہ بڑی ہی آسانی سے جاری ہوگا، جب کہ یہ آسانی پچھلی اُمتوں کو نہ دی گئی۔

قبل ولادت، ظہورِ نورِ نبوتِ مصطفیٰ کی دلیل سوم:

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تیسری دلیل اور تیسرا شرف یہ ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وھب نے آپ کے ظہورِ قدسی سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ ان سے ایک ایسا نور ظاہر ہوا، جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے، اور یوں ہی نبیوں کی مائیں دیکھتی رہیں۔

روایتوں میں آتا ہے کہ آپ کی والدہ نے ایام حمل کے شروع میں ملاحظہ کیا کہ انھیں خوش

خبری دی گئی کہ جب آپ کے ہاں ولادت ہوگی تو ایک ایسا نور ظاہر ہوگا جس سے شام کے محلات روشن ہو جائیں گے۔

امام طبرانی نے اپنی سند سے ابومریم کندی سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت میں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! آپ کے اَمر نبوت میں سے کون سی چیز سب سے پہلے ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ویسا ہی عہد لیا جیسا اس نے باقی تمام نبیوں سے لیا تھا۔ پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی :

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرٰهِيمَ وَمُوسٰى وَعِيسٰى ابْنِ مَرْيَمَ . (سورۂ احزاب:۳۳/۷)

”اور (اے حبیب! یاد کیجیے) جب ہم نے انبیا سے ان (کی تبلیغِ رسالت) کا عہد لیا، اور (خصوصاً) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ ابن مریم (علیہم السلام) سے۔

اس کے علاوہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ونوید ہیں۔ مستزاد یہ کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ ان کے سامنے ایک چراغ ظاہر ہوا جس سے ملک شام کے محلات جگمگا اُٹھے۔ آپ کی والدہ نے اس کے علاوہ تین مرتبہ کچھ ایسا ہی ملاحظہ فرمایا یعنی بغیر خواب کے حالت بیداری میں دیکھا۔ ارشادِ رب العزت ہے :

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِىٓ أَرَيْنٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ . (سورۂ بنی اسرائیل:۱۷/۶۰)

اور ہم نے تو (شبِ معراج کے) اس نظارہ کو جو ہم نے آپ کو دکھایا لوگوں کے لیے صرف ایک آزمائش بنایا ہے۔ (کہ ایمان والے مان گئے اور ظاہر بین الجھ گئے)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: اس سے مراد وہ رؤیت ہے جو سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کی رات ملاحظہ کیا تھا۔ جب کہ بعض مفسرین نے اس سے والدۂ رسول حضرت آمنہ بنت وہب کا دیکھنا مراد لیا ہے کہ جو کچھ انھوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے وقت دیکھا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حضرت آمنہ بتایا کرتی تھیں کہ: جب سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم میرے حمل میں تشریف لائے تو مجھ سے کہا گیا کہ اس اُمت کے سردار تیرے حمل میں جلوہ گر ہو چکے ہیں، جب وہ دنیا میں تشریف لائیں تو یہ کہنا کہ میں اللہ کی پناہ چاہتی ہوں ہر حاسد کے شر سے اور اس کی نشانی یہ ہوگی کہ ان کے ساتھ ایک نور نکلے گا، جس سے ارضِ شام میں موجود بصریٰ کے محل روشن ہو جائیں گے۔

جب وہ رونق افزاے دنیا ہو جائیں تو ان کا نام **محمد** رکھنا کہ تورات میں ان کا نام **احمد** ہے۔ زمین وآسمان والے ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ انجیل میں بھی ان کا نام **احمد** ہی ہے۔ آسمان اور زمین والے ان کی جتنی توصیف کریں کم ہے؛ ہاں! قرآن مجید میں ان کا نام '**محمد**' ہے۔ (۱)

ابن سعد نے متعدد سندوں سے واقدی سے ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت آمنہ کہا کرتی تھیں کہ: جب مجھے اُن کا (یعنی رسول اللہ ﷺ کا) حمل ہوا تو میں نے وضع حمل تک کوئی تکلیف محسوس نہ کی۔ پھر جب وضع حمل ہوا تو ان کے ساتھ ایک ایسا نور نکلا جس سے مشرق ومغرب کے چپے چپے روشن ہو گئے۔ دنیا میں تشریف آوری کا ان کا انداز یہ تھا کہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر رکھا، اپنی مٹھی میں مٹی بھری اور اسے آسمان کی طرف بلند کیا۔ بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ اپنے دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھے ہوئے جھکے جھکے دنیا میں تشریف لائے تھے اور آپ کے ساتھ ایک ایسا نور ظاہر ہوا کہ جس سے ملک شام کے محلات و بازار جگمگا اُٹھے تھے، یہاں تک کہ بُصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں دیکھ لی گئیں، اس حالت میں آپ کا چہرۂ منور آسمان کی طرف تھا۔ (۲)

امام بیہقی نے اپنی سند سے حضرت عثمان بن ابی العاص سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ میری والدہ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ: جب حضرت آمنہ کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی تو اس رات میں وہاں موجود تھی، مجھے گھر میں نور ہی نور نظر آرہا تھا، جس چیز پر بھی نگاہ پڑتی نورانی دکھائی دیتی۔ پھر میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو کیا دیکھتی ہوں کہ ستارے بالکل قریب آچکے تھے، یہاں تک کہ میرے منہ سے نکل گیا کہ یہ کہیں مجھ پر گر نہ پڑیں! (۳)

---

(۱) سیرتِ نبویہ، ابن اسحٰق: ۱/۱۵۷، ۱۵۸۔

(۲) طبقاتِ ابن سعد: ۱/۹۔

(۳) دلائل النبوۃ، بیہقی: ۱/۱۱۲-۱۱۴۔

امام احمد نے عقبیٰ بن عبد السلمی کی حدیث نقل کی ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی والدہ کا ایک ارشاد ذکر کیا کہ: میں نے اپنے اندر سے ایک نور نکلتے دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔(۱)

ابن اسحٰق، جہم بن ابی جہم سے، وہ عبداللہ بن جعفر سے اور انھوں نے حلیمہ سے روایت کرنے والے ایک شخص سے سنا کہ وہ کہتی تھیں: مجھ سے حضرت آمنہ نے بیان کیا کہ جب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حمل سے ہوئی تو میں نے کوئی حمل ایسا نہ دیکھا جو میرے حمل سے ہلکا ہو اور نہ اس سے بابرکت کوئی حمل دیکھا۔ پھر میں نے ایک نور دیکھا کہ گویا وہ ایک چمک ہے، اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی تو وہ نور مجھ سے ظاہر ہوا جس سے بصریٰ میں موجود اونٹوں کی گردنیں تک روشن ہو گئیں۔(۲)

میلادِ مصطفیٰ کے وقت اس نور کے نکلنے میں دراصل اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نور کو لے کر آ رہے ہیں، جس سے زمین والوں کو ہدایت نصیب ہوگی اور جس کی وجہ سے شرک کی تاریکیاں کافور ہو جائیں گی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ، يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

(سورۂ مائدہ: ۵/۱۵،۱۶)

بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آ گیا ہے اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید) اللہ اس کے ذریعے ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیرو ہیں، سلامتی کی راہوں کی ہدایت فرماتا ہے اور انہیں اپنے حکم سے (کفر و جہالت کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان و ہدایت کی) روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور انہیں سیدھی راہ کی سمت ہدایت فرماتا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا :

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۴/۱۲۷...... شرح السنۃ بغوی، رقم الحدیث: ۳۶۲۶۔

(۲) السیرۃ النبویۃ، ابن اسحٰق: ۱/۱۶۵۔

فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ أُنْزِلَ مَعَهٗ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ . (سورۂ اعراف:۷/۱۵۷)

پس جولوگ اس (برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائیں گے اوران کی تعظیم و توقیر کریں گے اوران (کے دین) کی مدد ونصرت کریں گے اوراس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جواُن کے ساتھ اُتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔

اسی تناظر میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عم محترم حضرت عباس نے کچھ شعر کہے ہیں۔

وأنت لما ولدت أشرقت الـ　　أرض وضاءت بنورك الأفق

فنحن في ذلك الضياء وفي الـ　　نور وسبل الرشاد نخترق

یعنی جب آپ کی ولادت ہوئی تو زمین چمک اُٹھی اورآپ کے نور سے آسمان روشن ہوگئے۔تو ہم اسی نوروضیا میں رشدوہدایت کی راہوں پر چل رہے ہیں۔(۱)

خصائص وفضائل ارضِ شام: تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے قبل جونور ظاہر ہوا اورجس سے شام کے محلات روشن ہوگئے تھے،تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کے نورِ نبوت سے ملک شام کوخصوصی حصہ ملے گا کہ وہ آپ کی سلطنت میں ہوگا، جیسا کہ کتب سابقہ میں کعب اَحبار نے ذکرکیا ہے:''محمد اللہ کے رسول ہوں گے، اُن کی جائے ولادت مکہ ہوگی، اُن کا مقامِ ہجرت مدینہ ہوگا اوراُن کی بادشاہت شام تک ہوگی۔''

چنانچہ دیکھیے کہ مکہ معظّمہ سے آپ کا نورِنبوت ظاہر ہوا اورملک شام تک آپ کی بادشاہت پہنچی۔پھرآپ کوشب اسریٰ میں ملک شام لے جایا گیا، جہاں بیت المقدس ہے،اور یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کرکے تشریف لے گئے تھے۔

سلف صالحین علیہم الرحمہ فرماتے ہیں کہ:اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کوئی نبی ایسانہیں بھیجا؛مگر یہ کہ اسے ملک شام سے مبعوث فرمایا اورجو نبی ملک شام میں مبعوث نہ ہوااس نے ملک شام کی طرف ہجرت ضرورکی۔آخری زمانے میں علم وایمان کاٹھکانہ وخزانہ شام میں ہوگا۔لہٰذا (خلاصۂ بحث

---

(۱) اسد الغابہ،ابن اثیر:۲/۱۳۰......سیر اعلام النبلاء:۲/۱۰۳۔

یہ ہوا کہ) تمام اِسلامی ملکوں کے مقابلے میں نورِ نبوت ملک شام میں زیادہ ظاہر ہوگا۔

امام احمد نے عمرو بن العاص اور ابو درداء رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی، یوں ہی حاکم عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث ذکر کرتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ کتاب کا ستون میرے تکیہ کے نیچے سے نکالا گیا۔ میں نے اس کو غور سے دیکھا تو وہ ایک چمک دار ستون تھا جو شام کی طرف بلند کیا گیا تھا۔ لوگو! خبردار! جب فتنے ظاہر ہوں گے تو ایمان شام میں ہوگا۔(۱)

یوں ہی مسند احمد اور جامع ترمذی وغیرہ میں آیا ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: 'عنقریب اس ہجرت کے بعد ایک ہجرت ہوگی اور زمین کے بہترین لوگ ابراہیم علیہ السلام کی جائے ہجرت یعنی ملک شام کی طرف ہجرت کریں گے۔'(۲)

حضرت عیسیٰ دین محمدی کے پیروکار ہوں گے: نیز شام ہی وہ ملک ہے جہاں آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام (آسمان سے) نزول فرمائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی نے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دی تھی، تو وہ خود آکر دین محمدی کو اِستحکام بخشیں گے اور شریعت محمدیہ کے مطابق ہی فیصلے صادر فرمائیں گے، اور سوائے دین محمدی کے کوئی دوسرا دین کسی سے قبول نہ فرمائیں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کردیں گے۔ جزیہ کو روک دیں گے اور مسلمانوں کے اِمام کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ نیز فرمائیں گے کہ اس اُمت کے بعض لوگ بعض کے اِمام ہیں، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اسی دین کے پیروکار ہوں گے، اس دین کو منسوخ کرنے کے لیے نہیں آئیں گے۔

ارضِ شام جائے حشر ونشر: ملک شام ہی وہ سرزمین ہے جسے اخیر زمانے میں حشر ونشر کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ جہاں قربِ قیامت میں زمین کے چاروں کونے سے لوگ آآ کر جمع ہوں گے، تو اہل زمین میں بہترین لوگ وہ ہوں گے جو حضرت ابراہیم کی جائے ہجرت ملک شام کی طرف خوشی خوشی ہجرت کریں گے۔ جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا۔(۳)

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۱۹۸/۴...... مستدرک حاکم: ۵۰۹/۴۔

(۲) مسند احمد بن حنبل: ۱۹۹/۲...... سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۴۸۲...... مستدرک حاکم: ۵۱۰/۴۔

(۳) مسند احمد بن حنبل: ۶/ ۴۶۳...... سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۴۰۷۔

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’تم شام کو لازم پکڑلو کہ زمین میں یہ جگہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسندیدہ ہے۔ اپنے برگزیدہ بندوں کے لیے اس نے اس زمین کو چن لیا ہے۔‘ یہ بات امام احمد، ابوداؤد، ابن حبان اور حاکم نے اپنی صحیح میں ذکر کی ہے۔ (۱)

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ ’قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ عراق کے اچھے لوگ شام کی طرف اور شام کے برے لوگ عراق کی طرف منتقل نہ ہوجائیں گے۔‘ اسے امام احمد نے نقل کیا ہے۔ (۲)

صحیحین میں سرکارِ ابدقرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد نقل ہے کہ ’قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ ارضِ حجاز سے ایک آگ نہ نکلے کہ جس کی روشنی سے بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہوجائیں گی۔‘ (۳)

(بتایا جاتا ہے کہ) یہ آگ چھ سو چون (۶۵۴ھ) میں مدینہ کے قریب ارضِ حجاز سے ظاہر ہوچکی ہے، جس کی روشنی میں بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس واقعے کے بعد بغداد کا وہ واقعہ پیش آیا جس میں بغداد کا خلیفہ اور وہاں کے رہنے والے بری طرح مارے گئے۔ تاتاریوں کے ہاتھ پر عراق کی خرابی ظاہر ہوئی تو اس وقت عراق کے اچھے لوگ ہجرت کر کے شام چلے گئے، باقی جو برے لوگ ہیں تو ان کو آخری زمانے میں ایک آگ نکل کر شام کی طرف زبردستی ہنکا کر لے جائے گی، تو اس طرح تمام لوگ قیامت سے پہلے ملک شام میں جمع ہوچکے ہوں گے۔

سنن ابوداؤد میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’لڑائی کے دنوں میں مسلمانوں کا شہر غوطہ یعنی دمشق ہوگا جو کہ شام کے تمام شہروں میں خیر وبرکت کے لحاظ سے بہترین ہے۔‘ (۴)

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۱۱۰/۴..... سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۴۸۳..... مجمع الزوائد: ۵۹/۱۰۔

(۲) مسند احمد بن حنبل: ۲۴۹/۵۔

(۳) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۷۱۱۸..... صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۹۰۲۔

(۴) سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۲۹۸..... مسند احمد بن حنبل: ۱۹۷/۵۔

امام حاکم نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ ان کی روایت میں یہ ہے کہ 'اس دن مسلمانوں کے بہترین ٹھکانے دمشق میں ہوں گے۔' (۱)

اُمت محمدیہ بہترین اُمت: میرے عزیز بھائیو! جو کوئی بھی اِس اُمت میں سے ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین اُمت میں سے ہے۔ فرمانِ رب العزت ہے :

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ . (سورۂ آل عمران: ۳/۱۱۰)

تم بہترین اُمت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے ظاہر کی گئی ہے۔

معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشاد ہدایت بنیاد ہے :

أنتم توفون سبعين أمة، أنتم خيرها وأكرمها على الله عزوجل .

یعنی تم ستر (۷۰) اُمتوں کو پورا کرتے ہو۔ تم تمام امتوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین اور عزت دار ہو۔ (۲)

جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق میں بہترین اور افضل پیغمبر ہیں۔ تو آپ کی اُمت بھی اسی طرح تمام اُمتوں میں بہترین اور افضل ترین اُمت ہے۔ کتنا خوش نصیب ہے وہ شخص جسے بہترین اُمت سے ہونے کا شرف ملا اور اس کی تابع داری کی نسبت خیرالوریٰ یعنی سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے۔ خصوصاً وہ شخص جو آخری زمانے میں مسلمانوں کے بہترین ٹھکانے (ملک شام) میں سکونت اختیار کرے گا۔ یہ وہی شخص ہوسکتا ہے جو اوصافِ خیر سے مزین اور صفاتِ شر سے عاری ہوگا۔ ہاں! وہ شخص جس کی نسبت خیرالامم اور خیرالوریٰ کی طرف ہو؛ مگر وہ اس شرف پر راضی وخوش نہ ہو تو یقیناً اسے اپنی بدنصیبی پر رونا چاہیے اور یہ نہایت بدبختی اور المیے کی بات ہوگی!

اچھے اور برے لوگوں کی شناخت کا معیار: ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُولٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ . (سورۂ بینہ: ۹۸/۷)

---

(۱) مستدرک حاکم: ۴/۴۸۶۔

(۲) مسند احمد بن حنبل: ۴/۴۴۷..... سنن دارمی: ۲/۳۱۳..... سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۴۲۸۷۔

بیشک جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، وہی لوگ ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔

گویا دولت ایمان اور ذخیرۂ اعمال صالحہ رکھنے والے لوگوں میں سب سے بہتر ہیں۔ یوں ہی ایک دوسرے مقام پر اللہ جل مجدہ الکریم نے فرمایا :

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ . (سورۂ آل عمران:۳/۱۱۰)

تم بہترین اُمت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

خير الناس من فقُه في دين اللّٰه، ووصَل رحِمَه وأمر بالمعروف، ونهى عن المنكر .

یعنی لوگوں میں سے بہترین وہ ہیں جو اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کرتے ہیں، صلہ رحمی سے پیش آتے ہیں، نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہیں۔(۱)

ایک دوسری روایت میں یوں آیا ہے :

خير الناس أتقاهم للكذِب، و أوصلُهم للرحِم، وآمرهم بالمعروف، وأنهاهم عن المنكر .

یعنی لوگوں میں سے بہترین وہ ہیں جو جھوٹ سے بچتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔(۲)

ایک اور مقام پر اِرشاد فرمایا :

الناس معادن؛ فخيارهم في الجاهلية خيارهم في الإسلام إذا فقهوا.

یعنی لوگ کانوں کی مانند ہوتے ہیں کہ جو لوگ جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہوں گے، جب کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرلیں۔(۳)

---

(۱) مسند احمد بن حنبل:۶/۴۳۲......مجمع الزوائد:۷/۲۶۳۔

(۲) الترغیب والترہیب:۳/۲۳۰۔

(۳) صحیح بخاری، رقم الحدیث:۳۳۸۳......صحیح مسلم، رقم الحدیث:۲۵۲۶۔

ارشادفرمایا :

خیر الناس من طال عمُرُہ، وحسُن عملُه، وشر الناس من طال عمرہ وساء عمله .

یعنی لوگوں میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کی عمر دراز ہو اور اس کے اعمال اچھے ہوں اور لوگوں میں سے بدترین وہ شخص ہے جس کی عمر تو لمبی ہو مگر اعمال برے ہوں۔(۱)

ارشادفرمایا :

خیرکم من یُرجی خیرہ ویؤمَن شرُّہ، وشرکم من لا یُرجی خیرہ ولا یؤمن شرہ .

یعنی تم میں سے بہترین وہ ہے جس سے خیر کی اُمید رکھی جائے اور اس کی شرارتوں سے امن ہو اور تم میں سے بدترین وہ ہے جس سے خیر کی توقع نہ رکھی جائے اور اس کی شرارتوں سے لوگ محفوظ نہ ہوں۔(۲)

ارشادفرمایا :

ألا أخبرکم بخیارکم؟ قالوا: بلیٰ، قال: الذین إذا رؤوا ذکر اللّٰہ . وقال: ألا أنبئکم بشرارکم ؟ قالوا: بلی، قال: المشاؤن بالنمیمة، المفرقون بین الأحبة، الباغون للبُرآء العَنَتَ .

یعنی کیا میں تم کو تمھارے بہترین لوگوں کی خبر نہ دے دوں؟ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! ضرور ،تو آپ نے فرمایا کہ (بہترین وہ ہیں کہ) جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے۔ کیا میں تم کو تمھارے بدترین لوگوں کی خبر نہ دوں۔ عرض کی گئی ضرور۔ تو فرمایا کہ چغلی کرنے والے، جو پیاروں کے درمیان جدائی ڈال دیتے ہیں اور پاک طینت لوگوں میں جھگڑا و فساد کے آرزومند ہوتے ہیں۔(۳)

ارشادفرمایا :

شرُّ الناس منزلة عند اللّٰہ من ترکه الناس اتقاءَ فُحشِهٖ .

---

(۱) سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۳۳۰......مسند احمد: ۴۰/۵، ۴۳۔

(۲) سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۲۶۳......مسند احمد بن حنبل: ۳۶۸/۲۔

(۳) مسند احمد بن حنبل: ۲۲۷/۴۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں بدترین شخص وہ ہوگا کہ جس کو لوگوں نے اس کی فحش گوئی کی وجہ سے بچتے ہوئے چھوڑ دیا ہوگا۔(۱)

ارشاد فرمایا :

إن من شر الناس يوم القيامة منزلة عند الله ذا الوجهين الذي يأتى هؤلاء بوجه وهؤلاء بوجه .

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں بدترین آدمی ذوالوجہین (یعنی دوگلا) ہوگا کہ کسی کے پاس ایک چہرے سے آئے اور کسی کے پاس دوسرے چہرے سے۔(۲)

ارشاد فرمایا :

إن من شر الناس عند الله منزلة من يقرأ كتاب الله ولا يرُعَوى إلى ما فيه .

یعنی اللہ کے نزدیک بدترین انسان وہ ہے جو کتاب اللہ تو پڑھے مگر جو کچھ کتاب اللہ میں ہے،اس کی رعایت نہ کرے۔(۳)

ارشاد فرمایا :

إن من شر الناس منزلة عند الله يوم القيامة من ذهب آخرته بدنيا غيره .

یعنی قیامت کے دن لوگوں میں بدترین شخص وہ ہوگا جو کسی کی دنیا کے لیے اپنی آخرت کو ضائع کردے۔(۴)

(یادرہے کہ) عالم برزخ میں اُمت کے اَعمال اُمت کے نبی پر پیش کیے جاتے ہیں؛ لہٰذا بندے کو چاہیے کہ اپنے نبی پر ایسے اعمال پیش کرنے سے حیا کرے کہ جن اَعمال کو کرنے سے اس کے نبی نے منع فرمایا ہے(یا جنھیں دیکھنے کے بعد نبی کو کسی شرمندگی کا اِحساس ہو)

حجۃ الوداع کے موقع پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا: ’حوض کوثر پر میں تم سے پہلے پہنچوں گا اور تمھاری وجہ سے مجھے دوسری اُمتوں کے لوگوں پر

---

(۱) صحیح بخاری،رقم الحدیث:۶۰۵۴......صحیح مسلم،رقم الحدیث:۲۵۹۱......سنن ترمذی،رقم:۱۹۹۶۔

(۲) صحیح بخاری،رقم الحدیث:۶۰۵۸......صحیح مسلم،رقم الحدیث:۲۵۲۶......سنن ترمذی،رقم:۲۰۲۵۔

(۳) مسند احمد:۳/۴۲،۵۸......سنن نسائی:۶/۱۲۔

(۴) سنن ابن ماجہ،رقم الحدیث:۳۹۶۶۔

عددی کثرت حاصل ہوگی؛ لہٰذا اس موقع پر مجھے روسیاہ نہ کرنا۔'(۱)

اس حدیث پاک میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب اُمت کے گناہ پیش کیے جاتے ہیں تو آپ کو شرم محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ میری اُمت میں سے بائیں طرف والے کچھ لوگوں کو پکڑا جائے گا، تو میں کہوں گا کہ اے میرے پروردگار! یہ میرے اُمتی ہیں تو مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کتنی نئی نئی باتیں پیدا کرلی تھیں۔ تو میں ان سے کہوں گا: دور ہوجاؤ، دور ہوجاؤ وہ لوگ جنھوں نے میرے بعد تبدیلیاں کردیں۔(۲)

زمانۂ رسالت سب سے اچھا زمانہ: اس اُمت کا بہترین دور پہلا دور ہے، جس کے بارے میں فرمانِ رسالت مآب ہے کہ 'بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ جو ان سے ملے ہوئے ہیں، پھر وہ لوگ جو ان سے ملے ہوئے ہیں'۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ 'بنی آدم پر بہت سے دور آئے تو میں ان اَدوار میں سب سے بہترین دور میں مبعوث کیا گیا'۔ قرآن مجید میں ایسے کتنے مقامات ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کی مدح وتوصیف فرمائی ہے، مثلاً فرمایا :

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ .

(سورۂ فتح:۲۹/۴۸)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کی معیت اور سنگت میں ہیں (وہ) کافروں پر بہت سخت اور زورآور ہیں آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا :

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ . (سورۂ فتح:۱۸/۴۸)

بے شک اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ (حدیبیہ میں) درخت کے نیچے آپ سے بیعت کررہے تھے۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث:۳۰۵۷......مجمع الزوائد:۳۶۵/۱۰۔

(۲) صحیح بخاری، رقم الحدیث:۶۵۸۴......مسند احمد بن حنبل:۳۳۳/۵۔

صحابہ کے درمیان حضرت ابوبکر کی صحبت کا خصوصیت سے ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا. (سورۂ توبہ:۹/۴۰)

جب وہ اپنے ساتھی (ابوبکر صدیق) سے فرما رہے تھے: غمزدہ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اِسلام دولہن اور دنیا سوکن: (اسلام گویا ایک دولہن ہے) جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دولہن کو عالم آشکارا کیا تو دیکھنے والوں نے اس کے حسن وجمال سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے آئے اور اپنی ساری دولت اس خوبصورت دولہن پر قربان کردی۔ حضرت عمر نے اُن کی موافقت کرتے ہوئے اپنا آدھا مال اس پر خرچ کردیا۔ پھر حضرت عثمان کھڑے ہوئے، اور غزوۂ تبوک کے موقع پر لشکر کا تمام سامان مہیا کر کے گویا اس شادی کا ولیمہ کر دیا۔ جب حضرت علی کو پتا چلا کہ دنیا اس دولہن کی سوکن ہے اور یہ دونوں اکٹھا نہیں رہ سکتیں تو انھوں نے دنیا کو تین طلاقیں دے کر فارغ کر دیا۔

تو خداوند قدوس کا بے پایاں شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمارا بھی اس رحمت (اسلام) کے اندر حصہ رکھا، اور اس کی نعمتوں سے ہمیں مالا مال فرمایا۔ نیز سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت و برکت سے ہمیں ان عظیم وجلیل فضائل وکمالات سے نوازتے ہوئے قرآن مجید کے اندر ہمارے تعلق سے ارشاد فرمایا :

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ. (سورۂ آل عمران:۳/۱۱۰)

تم بہترین اُمت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے ظاہر کی گئی ہے۔

اُمت مصطفےٰ لاجوابِ اُمم: (اُمتیں تو بہت سی آئیں؛ مگر) کیا کسی اُمت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح کوئی عظیم انسان ہوا...... یا کوئی مثل عمر فاروق رضی اللہ عنہ آیا کہ جب وہ راستہ چلتے اور شیطان انھیں دیکھ لیتا تو راستہ چھوڑ کر بھاگ جاتا تھا...... یا کہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نظیر مل سکتی ہے کہ جنھوں نے کڑی آزمائش کے دنوں میں نہایت ثابت قدمی اور صبر وجرأت سے کام لیا...... یا کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا ہو سکتا ہے کہ جو (باب العلم اور) حکمت کا بحر ناپیدا کنار تھے۔

یا کوئی حضرت حمزہ وعباس رضی اللہ عنہما کی مانند ہوا......کیا اُن میں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما جیسا کوئی آیا کہ جو سرکارِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سائے کی طرح رہتے تھے...... یا پچھلی اُمتوں میں حضرت سعد وسعید رضی اللہ عنہما کے مثل کوئی اِنسان ہوا!

نہیں نہیں بالکل نہیں۔ ایسے شاہکارِ قدرت کہاں سے لائے جا سکتے ہیں!

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما جیسا بھی کوئی نہیں مل سکتا۔

اور پھر کون ہے جو اِن دونوں (حسنین وکریمین) کے مثل کہیں دکھا سکے، اگر تم ان دونوں کو ملا کر چاہو کہ اِن کا مثل زمانے میں پاؤ تو سوائے ناکامی اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا!

اگر پچھلی اُمتوں کے زاہدوں کی فہرست دیکھو تو تمھیں ان میں کوئی اویس قرنی جیسا نظر نہیں آئے گا...... یا عبادت گزاروں میں کوئی عامر بن عبدقیس جیسا دکھائی نہ دے گا...... یا عمر بن عبدالعزیز کی مانند خوف وخشیت کا آئینہ دار ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گا!

کیا اُمم سابقہ میں تمھیں کہیں امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام شافعی کی طرح علم کا پہاڑ رکھنے والے اور مسالک کے بنیادگزار علما مل پائیں گے! تم ان کی جتنی بھی تعریف کرو، یہ تمھاری توصیف وثنا سے بہت بلند ہیں۔ سبحان اللہ! اِسلام کی بنیاد کتنی مضبوط، گہری اور اچھی ہے۔

کیا ان اُمتوں میں حسن بصری سے اعلیٰ اور صاحب فہم وفراست کوئی گزرا ہے! ...... یا تقویٰ وورع میں ابن سیرین سے بڑھ کر کوئی ہوا ہے!...... کیا سفیانِ ثوری کی مانند کوئی ہوسکتا ہے کہ جنھوں نے علم وخوف سے خود کو آراستہ کرلیا تھا...... یا کوئی مانند امام احمد بن حنبل ہوسکتا ہے جنھوں نے اپنی جان، رحمٰن کو وقف کردی اور خود کو (دین حنیف کے لیے) گھلا دیا۔ خدا کی عزت کی قسم! پچھلی اُمتوں میں تمھیں کوئی ابن حنبل کی مانند نہیں ملے گا!۔ لہٰذا آوازیں بلند کرو اور کسی لومۃ لائم کی پروا کیے بغیر زور سے کہو: 'کُنتُمۡ خَيۡرَ أُمَّةٍ أُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ'۔

لاح شيب الرأس مني فنصح ۞ بعد لهو وشباب و مرح
إخوتي توبوا إلى الله بنا ۞ قد لهونا وجهلنا ما صلح
نحن في دار نرى الموت بها ۞ لم يدع فيها لذى اللب فرح

يا بني آدم صونوا دينكم ۞ ينبغي للدين أن لا يطرح
واحمدوا اللّٰه الذي أكرمكم ۞ بنبي قام فيكم فنصح
بنبي فتح اللّٰه به ۞ كل خير نلتموه ومنح
مرسل لو يوزن الناس به ۞ في التقى والبر خفوا ورجح
فرسول اللّٰه أولى بالعلى ۞ ورسول اللّٰه أول بالمدح

یعنی میرے سر سے بڑھاپے کے آثار نمایاں ہو گئے، تو جوانی کی مستی اور اکڑ کے بعد بات جا کر سمجھ میں آئی۔

میرے بھائیو! آؤ ہمارے ساتھ مل کر بارگاہِ الٰہی میں توبہ کرو، کہ اچھی چیز چھوڑ کر ہم کھیل کود اور جہالت میں پڑے رہے۔

ہم ایسے گھر کے باسی ہیں جہاں ایک نہ ایک دن ہمیں موت کا منہ دیکھنا پڑے گا؛ لہٰذا موت کسی عقل مند کے لیے خوشی نہیں چھوڑتی۔

اے آدم کے بیٹو! اپنے دین وایمان کی حفاظت کرو، یہ دین کوئی مذاق نہیں جسے ہلکے میں لیا جائے،

اور خداوند جلیل کی حمد وثنا کرو جس نے تمھیں ایک ایسے نبی کے ذریعہ عزت بخشی جو تم میں بھیجے گئے اور تمھیں بہترین پند ونصیحت فرمائی۔

یہ اس نبی کے قدموں کی برکت ہے کہ ہمارے لیے ہر چیز کے دروازے پھٹ کھل گئے اور ہم نے ان سے حصہ وافر پایا۔ وہ ایسے پیغمبر ہیں کہ تقویٰ وبھلائی میں اگر دنیا جہاں کے لوگوں سے ان کا موازنہ کیا جائے تو لوگ ہلکے اور وہ بھاری پڑ جائیں گے۔

پس سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے عظمت ورفعت شایانِ شاں ہے اور ہر طرح کی نعت ومدحت انہی کو زیبا ہے۔

دوسری مجلس

میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے بیان میں

پیر کا روزہ اور ولادتِ مصطفیٰ: امام مسلم نے حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک دن حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوموار کے دن روزہ رکھنے کے تعلق سے دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا :

ذالک یوم ولدتُ فیه، و أنزلت علي فیه النبوۃ . (۱)

یعنی یہ وہ دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی اور مجھے شرفِ نبوت سے بہرہ ور کیا گیا۔ ☆

---

(۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۱۶۲...... مسند احمد بن حنبل: ۲۹۷/۵۔

☆ انبیاو مرسلین کی زندگی میں تین دن نہایت اہم، اور بے پناہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں: یوم میلاد، یوم وفات، اور یوم نشور۔ اگر قرآن کے اس فلسفے کو سمجھ لیا جائے تو بعض لوگوں کا یہ اعتراض خود بخود ختم ہو جائے گا کہ اس میلاد میں کیا رکھا ہے؟، اور میلاد النبی کی اسلام میں کتنی گنجائش ہے۔ قرآن کی آیات کی روشنی میں ہمیں پتا چلتا ہے کہ نبی کی زندگی میں تین دن غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَسَلٰمٌ عَلَیۡهِ یَوۡمَ وُلِدَ وَیَوۡمَ یَمُوۡتُ وَیَوۡمَ یُبۡعَثُ حَیًّا۔ یعنی سوغاتِ سلام پیش ہیں یحییٰ کے لیے جس دن وہ پیدا ہوا، اور جس دن وہ اس دنیا سے پردہ کر جائے گا، اور پھر جس دن اسے دوبارہ اُٹھایا جائے گا۔ یوں ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا: وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَیَوۡمَ اَمُوۡتُ وَیَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا۔ یعنی سلامتی ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا، اور جس دن میں وصال کر جاؤں گا، اور پھر جس دن مجھے دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

غور طلب اَمر یہ ہے کہ جب یہ پچھلے پیغمبروں کی شانیں ہیں تو پھر جو محبوبِ رب العالمین ہو، جو امام الانبیاء والمرسلین ہو، اور جو وجہِ تخلیق آدم وبنی آدم ہو، ذرا سوچیں کہ اس کی ولادت کا دن کیسی خیر وسلامتی، برکت ورحمت اور یمن وسعادت کا دن ہوگا! اور پھر خاص بات یہ کہ جس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے وہی دن آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کا بھی ہے تو گویا اس دن کو یوم ولد اور یوم یموت کی دونوں شانیں حاصل ہوئیں، اور اللہ کی دو دو سلامتیاں اس میں ساون بھادوں کی طرح عالم انسانیت پر برستی ہیں، اور پھر یوم یبعث حیا کا پُر کیف وروح پرور منظر بازارِ قیامت اور ہنگامہ محشر میں دیکھنے کو ملے گا، سبحان اللہ! وہ منظر بھی کیا منظر ہوگا جس کی عکاسی کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے ۔

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا ۔۔۔ کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے
سنتے ہیں کہ محشر میں صرف اُن کی رسائی ہے ۔۔۔ گر اُن کی رسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے

-چریا کوٹی-

ولادتِ مصطفےٰ کس دن ہوئی؟ اہل علم کا اس بات پر تقریباً اجماع ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سوموار کے دن ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا یہی موقف ہے۔ جبکہ بعض لوگوں نے جمعہ کے دن کا بھی قول کیا ہے؛ تاہم یہ قول باطل اور ساقط الاعتبار ہے۔ حضرت ابو جعفر امام باقر (م۱۱۴ھ) اس تعلق سے توقف فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جاننے والا ہے۔ اور یہ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ کوئی معتبر روایت اس تعلق سے منقول نہیں؛ لہٰذا اس بارے میں احتیاطاً توقف کرنا بہتر ہے۔

لیکن جمہور علمانے اس بارے میں جو کچھ کہا وہ کافی ووافی ہے اور حضرت ابو جعفر نے بھی ایک روایت کے مطابق اس کی موافقت فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوموار کے روز اس دنیا میں تشریف لے آئے۔ یہ موقف جملہ اہل علم کے موافق ہے۔

نیز حضرت ابو قتادہ انصاری کی روایت سے پتا چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سوموار کو دن کے وقت ہوئی۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ طلوعِ فجر کے وقت رونق افزاے عالم ہوئے۔

ابو جعفر بن ابی شیبہ نے اپنی تاریخ میں اور ابو نعیم نے اپنے طریق سے دلائل میں ایک ضعیف سند کے ساتھ عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ظہران کے راستے میں عیص نامی ایک راہب رہتا تھا، جس کا تعلق ملک شام سے تھا، وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ اے اہل مکہ! وہ زمانہ قریب آرہا ہے کہ تم میں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا پورا جزیرۂ عرب تابع دار ہو جائے گا اور وہ عجم کا بھی مالک بن جائے گا، اور یہی اس کا زمانہ ہے۔ چنانچہ جب بھی مکے میں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اس کے بارے میں لوگوں سے پوچھا کرتا تھا۔

پھر جس دن وہ صبح نمودار ہوئی جس میں سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ ہوئی تو عبداللہ بن عبدالمطلب، عیص کے عبادت خانے میں آئے اور پکار کر کہا: اے عیص، تو کہاں ہے؟ اس نے پوچھا: تم کون ہو۔ کہا: میں عبداللہ ہوں۔ پھر عبداللہ نے بچے کی ولادت کی خبر سنائی، جسے سن کر عیص نے کہا کہ یہ تو وہی بچہ ہے جس کے بارے میں میں تم لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ وہ پیر کے دن پیدا ہوگا، اسی دن اسے نبوت ملے گی اور اسی دن اس کی وفات ہوگی۔

پھر عیص نے پوچھا: تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے۔ عبداللہ نے جواب دیا: **محمّد**۔ عیص نے کہا: اللہ کی قسم! میری یہ دلی خواہش تھی کہ وہ مولود تمھارے ہی گھرانے میں پیدا ہو۔ اس بچے کو میں تین خصائل و وجوہات کی وجہ سے متعین کرتا ہوں: **پہلی وجہ** یہ ہے کہ آج کی رات کے بعد ستارہ طلوع ہوا ہے۔ **دوسری وجہ** یہ کہ یہ آج کے دن پیدا ہوئے ہیں اور **تیسری وجہ** یہ کہ ان کا نام **محمد** ہے۔ مجھے ان کے پاس لے چلو؛ کیوں کہ میرے علم کے مطابق یہ وہی بچہ ہے جس کے بارے میں میں تم لوگوں سے کہا کرتا تھا۔(۱)

جب کہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت پیدا ہوئے اور وہ آثار وروایات ہم پچھلی مجلس میں ذکر کر چکے ہیں، جن سے آپ کی نبوت پر روشنی پڑتی ہے۔

مہر نبوت کے ساتھ ولادت: صحیح حاکم میں اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مکہ کے اندر ایک یہودی تاجر رہتا تھا، جس رات سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی تو وہ کہنے لگا: اے گروہِ قریش! کیا آج رات تمھارے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے۔ وہ کہنے لگے، ہمیں اس کا علم نہیں۔ وہ کہنے لگا: مجھ سے سنو۔ آج کی رات اس آخری اُمت کے نبی کی ولادت ہوئی ہے۔ ان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان ایک علامت ہے جس میں گھوڑے کی ایال کی مانند بالوں کا گچھا ہے۔

اہل مکہ یہودی کے ساتھ اس بچے کی تلاش میں نکلے، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کے پاس جا پہنچے۔ اور کہنے لگے: ہمیں اپنا بیٹا دکھاؤ۔ والدہ ماجدہ نے آپ کو

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ، حافظ ابن کثیر: ۲/۲۷۲۔

نوٹ: اگر یہ روایت صحیح تسلیم کی جائے تو ماننا پڑے گا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت آپ کے والد محترم حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب بقید حیات تھے؛ حالاں کہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شکم مادر ہی میں تھے کہ حضرت عبداللہ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اور حضرت آمنہ کا درّ یتیم اِحساسِ یتیمی لے کر دنیا میں جلوہ آرا ہوا تھا۔ حیرت ہے کہ اس روایت پر نہ تو علامہ ابن رجب حنبلی نے کوئی جرح کیا اور نہ ہی عالم عرب کے معروف محقق شیخ یٰسین السواس نے کوئی حاشیہ چڑھایا، اور نہ ہی 'لطائف المعارف' کے دیگر محققین نے بادی النظر ہی میں کھٹکتی ہوئی اس روایت پر کوئی روشنی ڈالنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ -چریاکوٹی-

ان کے سامنے رکھ دیا، جب ان لوگوں نے آپ کی پشت مبارک کھول کر دیکھی تو وہ علامت واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر یہودی غش کھا کر گر پڑا، جب اسے ہوش آیا تو قریشی لوگ کہنے لگے: افسوس ہے تجھ پر، تجھے اچانک کیا ہو گیا؟ تو یہودی نے اس موقع پر ایک تاریخی جملہ کہا:

ذهبت واللّٰه النبوة من بني إسرائيل .

یعنی قسم بخدا! مجھے بس اس بات پر افسوس ہے کہ ہائے آج نبوت بنی اسرائیل سے ہمیشہ کے لیے نکل گئی۔(۱) ☆

اس حدیث سے پتا چلا کہ آپ کی 'ختم نبوت' کی نشانی یعنی مہر نبوت بوقت ولادت پشت انور پر موجود تھی، یہی وہ مہر ہے جو آپ کی نبوت کی ظاہری علامات میں سے ہے اور جس کے بارے میں اہل کتاب کو خوب اچھی طرح علم تھا، ایک دوسرے سے اس کے بارے میں پوچھا کرتے اور اس کے آثار ڈھونڈا کرتے تھے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ ہرقل نے ایک آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھیجا، اس وقت آپ تبوک میں تھے۔ مقصد یہ تھا کہ وہ آدمی آپ کی مہر نبوت کا مشاہدہ کرے اور پھر ہرقل کو اس پر مطلع کرے۔ چنانچہ حضرت ابوذر اور عتبہ بن عبد رضی اللہ عنہما، تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ دو فرشتوں نے آکر آپ کا سینۂ اقدس چاک کیا، پھر اسے حکمت سے معمور کر دیا اور انھی دونوں فرشتوں نے مہر نبوت سے آپ پر مہر کر دی۔(۲) لیکن یہ حدیث معروف حدیث عائشہ کے خلاف (اور غیر مقبول) ہے۔

---

(۱) مستدرک حاکم: ۶۰۱/۲۔

☆ بتایا جاتا ہے کہ اسی دن سے یہود محمد عربی، معلم کائنات، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے لائے ہوئے جامع دین اور اس دین سے وابستہ لوگوں سے اللہ واسطے کا حسد کرنے لگے اور آج بھی وہ اسی آگ میں جل رہے ہیں، اور عداوت وحسد کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ دنیا جہان میں بنائے جانے والے یہ کارٹونز، فلمیں اور گستاخی رسول کے اس لائے ہوئے گندے سیلاب کے پیچھے اگر باریک بینی سے جائزہ لیں تو آپ کو کہیں نہ کہیں بدنصیب یہودیوں کی سازش، اُن کی حاسدانہ ذہنیت اور ان کا ہاتھ ضرور دکھائی دے گا۔ -چریاکوٹی-

(۲) مستدرک حاکم: ۶۱۶/۲..... مجمع الزوائد: ۲۵۵/۸، ۲۵۶۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد آپ کی اس مہر نبوت کو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان سے اُٹھالیا گیا تھا؛ لیکن اس حدیث کی سند میں کافی ضعف ہے۔(۱)

بوقت ولادت کچھ اور نشانیاں: اس کے علاوہ بھی بوقت ولادت بہت سی عجیب وغریب باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت کچھ نشانیاں تھیں جن میں سے کچھ نشانیاں بیان کرتے ہوئے حضرت آمنہ بنت وہب فرماتی ہیں کہ 'جب وضع حمل ہوا تو جس طرح بچے پیدا ہوتے ہیں اس انداز سے آپ کی ولادت نہ ہوئی، بلکہ آپ اس حال میں وارِدِ دنیا ہوئے کہ اپنے ہاتھ کو زمین پر رکھے ہوئے تھے اور اپنے سر کو آسمان کی طرف اُٹھا رکھا تھا'۔(۲)

ایک روایت میں یوں ہے کہ 'جب آپ نے زمین پر اپنے ہاتھ کو رکھا تو اپنی مٹھی میں مٹی بھری۔' بعض قیافہ شناس کہنے لگے کہ یہ تو نیک فال ہے اور اگر یہ سچی ہوئی تو یہ ضرور بالضرور دنیا والوں پر ایک نہ ایک روز غالب آجائیں گے۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ کی ولادت ایک لگن کے نیچے ہوئی، پھر وہ پھٹ گیا اور اہل خانہ نے آپ کو آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے پایا۔

کیا حضور ﷺ مختون پیدا ہوئے؟: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ختنہ شدہ پیدا ہونے کے تعلق سے روایات مختلف ہیں۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپ ختنہ شدہ اور کٹی نال کے ساتھ پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ امام حاکم نے فرمایا کہ اس سلسلے میں متواتر روایتیں موجود ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کے دادا نے آپ کا ختنہ کروایا۔ جب کہ امام احمد کو اس سلسلے میں توقف ہے۔(۳)

علامہ مروزی فرماتے ہیں کہ ابو عبداللہ یعنی امام احمد سے پوچھا گیا کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختون پیدا ہوئے تھے، تو آپ نے فرمایا: اللہ ہی کو بہتر علم ہے، پھر فرمایا: مجھے اس کا پتا نہیں۔

---

(۱) المواہب اللدنیہ: ۱/۱۵۶۔
(۲) طبقات ابن سعد: ۱/۱۰۳۔
(۳) مستدرک حاکم: ۲/۶۰۲۔

ہمارے اَحباب میں سے حضرت ابوبکر عبدالعزیز بن جعفر فرماتے ہیں کہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختون و مسرور پیدا ہوئے تھے؛ لیکن ابوعبداللہ اس روایت کو صحیح قرار دینے کا حوصلہ نہیں پاتے!

ولادتِ نبوی کا مہینہ: سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (یومِ ولادت کی طرح) ماہِ ولادت میں بھی قدرے اِختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کی ایک روایت میں رمضان بتایا گیا ہے؛ مگر اس کی سند قطعاً درست نہیں۔ بعض نے رجب کا بھی قول کیا ہے؛ مگر یہ بھی صحیح نہیں۔ اور مشہور قول ماہ ربیع الاوّل کا ہے اور یہی عندالناس معروف ہے۔ حتیٰ کہ علامہ ابن جوزی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اسی پر اہل علم کا اتفاق ہے اور یہی جمہور علما کا قول ہے۔

تاریخ ولادتِ نبوی: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ماہِ ربیع الاوّل کی) کس تاریخ میں پیدا ہوئے؟ اس تعلق سے بھی روایات مختلف ہیں۔ بعض علما فرماتے ہیں کہ اس کا تعین نہیں ہوسکا، بس اتنا معلوم ہے کہ آپ ربیع الاوّل کے مہینے میں سوموار کے روز پیدا ہوئے، اور تاریخ کا کوئی علم نہیں۔ جب کہ جمہور علما اس طرف گئے ہیں کہ آپ کا یومِ ولادت متعین ہے۔

پھر اختلاف ہوگیا کہ دو راتیں اس مہینے سے گزر چکی تھیں۔ بعض نے آٹھویں تاریخ ذکر کی ہے۔ بعض نے دس ربیع الاوّل کہا ہے، اور بعض کے مطابق بارہویں ربیع الاوّل ہے۔ بعض کے نزدیک سترہ، بعضوں نے اٹھارہ، اور کچھ نے بائیس ربیع الاوّل کا بھی قول کیا ہے۔ لیکن موخرالذکر دونوں قول صحیح نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں مشہور قول علمائے جمہور کا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت بارہ ربیع الاوّل کو پیر کے روز ہوئی۔ یہی موقف (معروف واوّلین سیرت نگار) ابن اسحٰق وغیرہ کا بھی ہے۔(۱)

سالِ ولادتِ نبوی: سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سن ولادت کے تعلق سے اکثر علما کا موقف یہی ہے کہ وہ عام الفیل تھا۔ یہ قول قیس بن مخرمہ، قباث بن اشیم اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے۔ اور ابن عباس ہی سے منقول ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ کی ولادت واقعہ فیل کے دن ہوئی؛ مگر اس روایت کو وہمی قرار دیا گیا ہے اور اس سلسلے میں صحیح تر بات یہ ہے کہ

---

(۱) السیرۃ النبویۃ بتہذیب ابن ہشام: ۱/۱۵۸۔

آپ کی ولادت واقعہ فیل والے سال میں ہوئی، اور اہل علم کا اس بات پر اِتفاق واِجماع ہے۔ اور مشہور روایت کے مطابق آپ واقعہ فیل کے پچاس دن بعد پیدا ہوئے۔ پچپن دن بعد کی ایک روایت بھی ملتی ہے۔ جب کہ واقعہ فیل کے ایک ماہ، چالیس دن، تیئس دن، دس سال، اور چالیس سال بعد ولادت کی روایات بھی موجود ہیں، اور ایک قول میں ہے کہ آپ عام الفیل کے پندرہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ یہ تمام اقوال جمہور علما کے نزدیک محض وہم وگمان ہیں، ان میں سے کوئی بھی مدارِ صحت پر پورا نہیں اُترتا۔

حضرت ابراہیم بن منذر حزامی (م ۲۳۶ھ) کہتے ہیں کہ ہمارے علما میں سے کسی کو اس بات میں شک نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں ہوئی۔ اور حضرت خلیفہ بن خیاط نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

واقعہ فیل بعثت نبوی کا اِعلامیہ: ہاتھی کا واقعہ دراصل آپ کی نبوت کی موافقت اور آپ کے ظہور وبعثت سے پہلے ایک نشانی کے طور پر ہے۔ سورۃ الفیل کے اندر اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کا ذکر (پوری ایک سورت میں) کرتے ہوئے فرمایا ہے :

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيلِ ، أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِى تَضْلِيلٍ ، وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ، تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ، فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ

(سورۂ فیل ۱۰۵/ ۱ تا ۵)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کیا اس نے ان کے مکروفریب کو باطل وناکام نہیں کردیا۔ اور اس نے اس پر (ہر سمت سے) پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے۔ جو اُن پر کنکریلے پتھر مارتے تھے۔ پھر (اللہ نے) ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح (پامال) کردیا۔

اس سورت کی پہلی آیت (أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيلِ) میں اس خطاب کے سامع کے لیے اِستفہامِ تقریری ہے، اور یہ آیت اس بات کا اِشارہ دے رہی ہے کہ یہ واقعہ اہل عرب میں کافی مشہور تھا اور سبھی اس سے واقف تھے۔ خصوصاً اہل قریش اور اہل مکہ۔ اور شعراے عرب سے بھی یہ بات مخفی نہ تھی کہ اس میں ان لوگوں نے بہت سے معروف اشعار بھی

کہے تھے۔

خانۂ کعبہ پر اہل ایمان کا قبضہ، نبوتِ محمدی کی زندہ دلیل: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ہاتھی کے سردار اور اس کے سائس کو دیکھا ہے کہ وہ دونوں مکہ میں اندھے پن کی حالت میں بھیک مانگا کرتے تھے۔ یہ قصہ جہاں مکہ کی عظمت وحرمت پر دلالت کررہا ہے، وہیں اس سے بیت اللہ اور مکہ کا مقام ومرتبہ بھی کھل کر سامنے آرہا ہے۔اسی واقعے کے بعد سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی، جو آپ کی نبوت ورسالت پر ایک قوی برہان ہے۔

کیوں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقدس گھر کی تعظیم، اس کے حج اور اس میں نماز قائم کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔یہی مکہ آپ کا پیارا وطن اور آپ کی جاے پیدائش بھی ہے۔لیکن آپ کی قوم (اور مکہ کے مادیت گزیدہ سرداروں) نے آپ کو اس وقت مکہ سے نکلنے پر مجبور کردیا جب آپ نے دعوت وتبلیغ اسلام کا آغاز فرمایا اور اہل مکہ کو توحید باری تعالیٰ کی طرف بلایا۔

یہ بات انھیں سخت ناگوار گزری (اور نتیجے میں آپ کو شہر بدر ہونا پڑا)؛ مگر اللہ تعالیٰ نے پھر آپ کو اُن پر غلبہ وتسلط عطا کیا اور مکہ کو آپ کے ہاتھوں فتح کرادیا، اس طرح پورا شہر آپ کے قبضہ واِختیار میں آگیا، اور آپ اہل شہر کی گردنوں کے مالک ہوگئے؛ مگر آپ نے کمالِ شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان پر یہ اِحسان کیا کہ سب کو آزاد کردیا اور ان کی غلطیاں معاف فرمادیں۔

تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس شہر پر قابض ہوجانا، اس کا اکلوتا مالک ہوجانا اور آپ کے بعد آپ کی اُمت کا اس پر قبضہ بحال رکھنا دراصل آپ کی نبوت کے صحیح ہونے کی ایک روشن دلیل ہے؛ کیوں کہ جس نے بھی بیت اللہ کو خراب کرنے اور اس میں خرابی ڈالنے کا اِرادہ کیا، اللہ تعالیٰ نے (ہر دور میں) اسے عبرت کا نشان بنادیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول اور اُن کی محبوب اُمت کو اس خانۂ کعبہ پر قبضہ دلادیا ہے۔

ایک حدیث مبارک میں آتا ہے کہ ’اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں کو مکہ سے دور رکھا ہے اور اپنے

رسول اور اہل ایمان کو اس پر قبضہ دلوادیا ہے۔‘‘(۱)

فتح مکہ سے عظمت کعبہ بڑھ گئی: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اُمتی خانۂ کعبہ کی عزت وتوقیر میں کوئی کمی نہیں کرتے، اور اس کا بھرپور اِحترام بجالاتے ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر ایک شخص نے کہا کہ آج کعبہ حلال ہوگیا تو آپ نے اس کا رد فرماتے ہوئے کہا کہ ’نہیں بلکہ آج کعبہ کی عظمت بڑھ گئی۔‘‘(۲)

جاہلیت کے لوگوں نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے دین میں تبدیلیاں کردی تھیں۔شرک کی اِبتدا کردی تھی اور بعض مناسک حج میں تحریف کردیا تھا؛ اِس لیے پروردگارِ عالم نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی اُمت کو مکہ معظّمہ پر قابض و وارث کردیا تا کہ یہ مکہ کو بتوں سے پاک وصاف کردیں اور دین براہیمی کو اصل حالت پر لے آئیں۔

دعاے براہیم و اِسمٰعیل کی حسن قبولیت: اسی کے لیے حضرت ابراہیم اور ان کے صاحب زادے اسماعیل علیہما السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تھی اور تکمیل کے فوراً بعد دعا مانگی تھی کہ: اے پروردگار! ان لوگوں میں انھی میں سے ایسا رسول بھیج، جو ان کو تیری آیات تلاوت کر کے سنائے اور ان کا تزکیہ کر کے انھیں کتاب وحکمت کے اَنوار سے مزین کردے۔

چنانچہ وہ دعا بارگاہِ الٰہی میں قبول ومنظور ہوئی اور ان میں انھی میں سے اوصافِ حمیدہ وخصائل پسندیدہ سے مزین رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا جو کہ حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں۔ چنانچہ آپ نے خانۂ کعبہ اور اس کے گردونواح کو شرک کی آلودگیوں سے یکسر پاک وصاف کردیا اور اَمر دین کو ملت ابراہیم حنیف کی طرف لوٹا دیا۔

خانۂ کعبہ مرکز توحید ہے اور اسی کے لیے اس کی بنا ہوئی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئاً وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ. (سورۂ حج:۲۲/۲۶)

اور (وہ وقت یاد کیجیے) جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ (یعنی خانہ کعبہ کی تعمیر) کی جگہ کا تعین کردیا (اور انہیں حکم فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا اور میرے گھر کو (تعمیر کرنے کے بعد) طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجود کرنے والوں کے

لیے پاک وصاف رکھنا۔

قرامطہ کا کعبہ پر وقتی قبضہ: رہی بات قرامطہ کی بیت اللہ پر قبضہ جمانے کی تو یہ دراصل لوگوں کے گناہوں کی سزا کے طور پر تھا۔ وہ انہدام کعبہ، یا اس کو کوئی بڑا نقصان پہنچانے اور لوگوں کو حج وزیارت وغیرہ سے روکنے کی غرض سے نہیں پہنچے تھے، جب کہ اصحابِ فیل کا ارادہ اس سے مختلف تھا، اگر وہ آگے بڑھ جاتے اور قدرت پا لیتے تو یقیناً کعبہ کو ڈھا دیتے اور لوگوں کو حج کی سعادت سے محروم کردیتے۔ ہاں! قرامطہ نے حجر اسود اور بابِ کعبہ کو ضرور نکال لیا تھا، ساتھ ہی کچھ حاجیوں کو تہ تیغ بھی کیا تھا اور ان کے اَموال بھی چھین لیے تھے؛ لیکن کلی طور پر وہ حاجیوں کو سعادتِ حج سے نہ روک سکے، نہ ہی خانۂ کعبہ کو کلیتاً شہید کرنے پر قدرت پائی، جیسا کہ اصحابِ فیل کی دیرینہ تمنا تھی۔(۱)

پھر اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہوا تو اس نے انھیں ذلت وخواری کا نشان بنا دیا، ان کی عزتیں خاک میں ملادیں اور اُن کے رازہائے سربستہ فاش فرمادیے۔ اور بیت اللہ اپنی دیرینہ عظمت وشوکت پر باقی رہا۔ اور اس میں حج، عمرے اور نمازیں بدستور جاری ہیں، بفضل خداوندی کوئی چیز رکی نہیں۔ ہاں! صرف اتنا ہوا کہ انھوں نے عراقی حاجیوں کو اتنا خوف زدہ کردیا تھا کہ چند سال وہ حج پر نہ آسکے، پھر ان کے حج وزیارت کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ (کی سنت کریمہ ہے کہ وہ) ہمیشہ اپنے بندوں کو آزمائش میں ڈالتا رہتا ہے، اور جس طرح چاہتا ہے بندوں کو آزماتا ہے (کہ وہ قادرِ مطلق ہے) لیکن اس کا دین ہمیشہ محفوظ

---

(۱) **القَرَامِطَۃ:** حمدان قرمط کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ قرامطہ کہلاتے ہیں۔ یہ ان کا سرخیل تھا، اسی کے گروہ سے ابوسعید جنابی، پھر اس کا بیٹا ابوطاہر سلیمان بن حسن قرمطی جنابی اُٹھا جس نے ۳۱۷ھ میں حرم کعبہ کے اندر حاجیوں کا خون مباح کردیا تھا۔ زبردست لوٹ مار مچائی تھی۔ سنگ اسود کو اس کے مرکز سے نکال کر ہجر بھیج دیا جہاں اسے کوئی بیس سال تک رکھا گیا، پھر واپس لاکر اس کے مرکز میں رکھ دیا گیا۔ چاہِ زمزم کو حاجیوں کی لاشوں سے پاٹ دیا گیا۔ یہ سب کرنے کے بعد ابوطاہر کعبہ کی چھت پر چڑھا اور چیخ کر کہنے لگا:

أنــا بالله و بالله أنــا   بخلق الخلق وأفنيهم انا

پھر اس نے دیوارِ کعبہ کو ننگا کیا۔ باب کعبہ کو اُکھاڑا۔ اور کثرت سے جان ومال کو نقصان پہنچایا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: المنتظم لابن جوزی: ۳۳۶/۶......الکامل لابن اثیر: ۱۴۳/۸......سیر اعلام النبلاء ذہبی: ۳۲۰/۱۵۔

–چریاکوٹی–

رہتا ہے اور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں ایک گروہ ہمیشہ ایسا موجود رہے گا جو اللہ کے دین کو مستحکم رکھے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت انھیں رسوا نہیں کر سکتی اور نہ کوئی نقصان پہنچا سکتی ہے؛ یہاں تک کہ حکم الٰہی آ جائے گا اور اسی حالت پر ہوں گے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِؤُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ، هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ . (سورۂ توبہ: ۹/۳۲، ۳۳)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ (یہ بات) قبول نہیں فرماتا مگر یہ (چاہتا ہے) کہ وہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا دے اگرچہ کفار (اسے) ناپسند ہی کریں۔ وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہر دین (والے) پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا لگے۔

قیامت کب اور کن پر آئے گی؟ فرمانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد بھی خانۂ کعبہ کا حج وعمرہ جاری رہے گا، یہاں تک کہ حبشی بیت اللہ کو شہید کر کے اس کے پتھروں کو سمندر میں پھینک دیں گے۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیج کر جملہ مومنین کی روحیں قبض کر چکا ہوگا، اور روئے زمین پر اس وقت کوئی کلمہ پڑھنے والا موجود نہ ہوگا۔ قرآن سینوں اور مصحفوں سے نکالا جا چکا ہوگا، اور دنیا میں کہیں بھی نہ قرآن باقی رہے گا، اور نہ ایمان اور نہ ہی خیر کی کوئی بات ہوگی، اس وقت قیامت بپا ہوگی اور قیامت بدترین لوگوں پر آئے گی۔ (۱)

سوموار کے دن کی کچھ اَور خصوصیات: سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ 'یہ وہی دن ہے جس میں مجھ پر نزولِ نبوت ہوا تھا' تو اس سے مراد دراصل سوموار کا دن ہے۔

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت آئی ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوموار کے دن پیدا ہوئے، اسی دن آپ کو نبوت عطا ہوئی،

(۱) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۵۹۱...... صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۹۴۹...... مسند احمد بن حنبل: ۱/۴۳۵۔

اسی دن مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، اسی دن مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، اسی دن دنیا سے رخصت ہوئے، اور اسی دن حجرِ اسود کو بھی رکھا۔(۱)

ابن اِسحٰق کے بقول جمعہ کے دن نبوت کو نزول کیا گیا؛ (مگر یہ درست نہیں) اور حدیث ابوقتادہ انصاری ان کے اس قول کی تردید کررہی ہے۔(۲)

ابتداے نبوت کا مہینہ: یہ بات بھی مختلف فیہ ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا آغاز کس مہینے سے ہوا تھا۔ بعض ماہ رمضان، اور بعض ماہ رجب کو قرار دیتے ہیں مگر یہ درست نہیں۔ اور بعض نے ربیع الاول کا قول کیا ہے۔ جب کہ بعض کا کہنا ہے کہ ربیع الاوّل کی آٹھ تاریخ کو پیر کے دن آپ کو نبوت عطا کی گئی تھی۔(۳)

اسی طرح ماہِ معراج کے تعلق سے بھی اہل علم کی مختلف آرا ہیں۔ بعض علما نے ماہِ رجب کو قرار دیا ہے (اور یہی عندالعوام والخواص مشہور ومروّج ہے)۔ جب کہ حضرت ابراہیم حربی (م ۲۸۵ھ) وغیرہ کا کہنا ہے کہ وہ ربیع الاوّل کا مہینہ تھا۔

دخولِ مدینہ ووفات کا مہینہ: سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ میں داخل ہونے اور آپ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے تعلق سے بھی اختلاف ہے۔ ہاں! ربیع الاول میں تو سبھی کا اِتفاق ہے؛ لیکن مہینے کی تاریخ کے تعین میں روایتیں مختلف ہیں۔

وجودِ مصطفےٰ خزانۂ قدرت کی سب سے بڑی نعمت: ایک مرتبہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیر کے روزے کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہی وہ مہینہ ہے جس

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۱/۲۷۷۔

(۲) السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۳۹،۲۴۰۔

(۳) اس باب میں مصنف نے نبوت کے آغاز کی بات کی ہے اور اس میں مختلف اقوال پیش کیے ہیں۔ جب کہ علامہ موصوف اسی کتاب کے آغاز میں متعدد احادیث کی روشنی میں یہ بھی بیان کرچکے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب ابھی حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان یا مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔ تو جب آپ کے لیے نبوت اسی وقت سے ثابت ہے تو یہاں کس نبوت کے آغاز وابتدا کی بات ہورہی ہے! ہاں! اگر اس سے مراد اعلانِ نبوت ہے تو وہ شے دیگر است۔ اور بظاہر یہاں مصنف کی یہی مراد معلوم ہورہی ہے۔ واللہ اعلم

-چریاکوٹی-

میں میری ولادت ہوئی اور مجھ پر نبوت نازل کی گئی۔ اس حدیث سے دراصل بتانا یہ مقصود ہے کہ جس کسی دن بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت اپنے بندوں پر آئی ہو تو اس دن (بطورِ شکرانہ) روزہ رکھنا مستحب ہے۔ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس جہان میں بھیجا جانا دراصل اللہ تعالیٰ کا اس اُمت پر بہت بڑا اِنعام واحسان ہے۔ اور اس احسان عظیم کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خود کیا ہے :

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ .

(سورۂ آل عمران: ۳/۱۶۴)

بیشک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجا۔

وجودِ مصطفیٰ کی شکل میں اُمت کو جو عظیم انعامِ الٰہی نصیب ہوا، یہ اتنا بڑا انعام ہے کہ اس کے آگے آسمانوں، زمینوں، ہواؤں، چاندسورج، شب وروز، بارشوں کا برسنا اور سبزوں کا اگنا کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا؛ کیوں کہ یہ نعمتیں جملہ اولادِ آدم کے لیے عام ہیں۔ ان سے وہ لوگ بھی فائدے اُٹھاتے ہیں جو اللہ ورسول کی توحید ورسالت کو جھٹلاتے ہیں، آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور انعاماتِ الٰہیہ کا کھلے بندوں انکار کرتے ہیں۔

جب کہ رسالت محمدی کی برکت سے دنیا وآخرت کے مصالح ومقاصد کی تکمیل ہوگئی۔ اور اس نعمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا دین کامل ہوگیا، جس دین کو اس نے اپنے بندوں کے لیے پسند کیا تھا۔ یہ اسی دین سے وابستگی کی برکت ہے کہ اہل ایمان کو دنیا وآخرت میں سرخروئی نصیب ہوگئی۔ تو جس دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے مومن بندوں پر اس نعمت کے ذریعہ انعام فرمایا تو اس دن روزہ رکھنا یقیناً خوب (باعث برکت وثواب) ہوگا۔ اور ایسا اس لیے کیا جاتا ہے کہ جب کسی وقت کوئی نعمت ملتی ہے تو اس کو شکرالٰہی کے ذریعہ دراصل تازہ وزندہ کیا جاتا رہتا ہے۔

دوشنبہ کے روزہ پر صومِ عاشورا سے اِستشہاد: اس کی نظیر میں عاشورا کے روزے کو پیش کیا جاسکتا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ پیغمبروں پر گوناگوں انعامات فرمائے کہ نوح علیہ السلام کو کشتی کے ذریعہ نجات دیتے ہوئے غرق آب ہونے سے بچالیا گیا۔ یوں ہی

موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کے لشکر سے بچا کر فرعون اور اس کی قوم کو غرق آب کر دیا گیا۔ تو اس موقع پر اللہ کے شکرانے کے طور پر حضرت نوح و موسیٰ علیہما السلام نے روزہ رکھا تھا۔ ان برگزیدہ پیغمبروں کی اتباع میں تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یومِ عاشورا کا روزہ رکھا، اور یہودیوں سے کہہ دیا کہ ہم تمھاری نسبت حضرت موسیٰ کے بارے میں زیادہ حق دار ہیں۔ چنانچہ آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی رکھنے کا حکم دیا۔(۱)

دوشنبہ و جمعرات کی اہمیت: حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوشنبہ اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے۔(۲)

حضرت اُسامہ کی روایت میں ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روزوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا :

پیر اور جمعرات کو چوں کہ بندوں کے اعمال بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوتے ہیں؛ اس لیے میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال روزے کی حالت میں پیش ہوں۔(۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روزوں کی بابت استفسار کیا تو آپ نے فرمایا :

ان دونوں دنوں میں ہر مسلمان کی مغفرت کر دی جاتی ہے، سوائے روٹھے ہوئے شخصوں کی کہ ان کے تعلق سے حکم ہوتا ہے کہ: انھیں اس وقت تک چھوڑے رکھو جب تک وہ آپس میں صلح نہ کرلیں۔(۴)

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ہر دوشنبہ اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں، اور ہر اس بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا؛ مگر وہ آدمی نہیں بخشا جاتا جس نے اپنے بھائی سے لڑائی کر رکھی

---

(۱) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۰۰۴...... صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۱۳۰۔
(۲) سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۷۴۵...... سنن نسائی: ۲۰۲/۴۔
(۳) مسند احمد بن حنبل: ۱۹۹/۵...... سنن نسائی: ۲۰۱/۴...... جامع ترمذی، رقم الحدیث: ۷۴۷۔
(۴) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۷۴۰...... مسند احمد بن حنبل: ۳۲۹/۲۔

ہو۔ان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان دونوں کو مہلت دیے رکھو، یہاں تک کہ یہ دونوں باہم صلح کرلیں۔(۱)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ دوشنبہ اور جمعرات کو بندوں کے اعمال اُٹھائے جاتے ہیں تو بخشش چاہنے والوں کی بخشش کردی جاتی ہے، اور دل میں کینہ رکھنے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے (یعنی وہ مغفرت سے محروم رہتے ہیں)۔(۲)

مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَولادِ آدم کے اعمال شب جمعہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں تو اس میں رشتے کاٹنے والوں کے عمل قبول نہیں کیے جاتے۔(۳)

ایک تابعی کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے سامنے بیٹھے رو رہے تھے اور ان کی بیوی بھی رو رہی تھی۔ وہ کہنے لگے: آج کا دن دراصل اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمارے اعمال پیش کیے جانے کا دن ہے تو ہائے افسوس اس شخص پر جس کے اعمال رائیگاں چلے گئے۔ اور وہ شخص بھی قابل ملامت ہے جو راہِ راست سے ہٹ جائے۔ امتحان لینے والا دیکھ رہا ہے۔ افسوس ہے اس پر جو لمبی لمبی اُمیدیں باندھ کر اپنی زندگی کو بلاوجہ ضائع کر رہا ہے۔ لوگو! اپنی زندگی سے کب تک کھلواڑ کرتے رہوگے، آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ زندگی بڑی مختصر ہے۔ شاعر نے اس موقع پر بڑی پیاری بات نظم کی ہے۔

صروف الحتف مترعة الکؤوس　　تدار علی الرعایا والرؤوس
فلا تتبع هواک فکل شخص　　یصیر إلی بلی وإلی دروس
وخف من هول یوم قمطریر　　مخوف شره ضنک عبوس
فمالک غیر تقوی اللّٰه زادا　　وفعلک حین تقبر من أنیس
فحسنه لیعرض مستقیما　　ففی الاثنین یعرض والخمیس

(۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۵۶۵...... سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۹۱۶...... سنن ترمذی، رقم ۲۰۲۳۔
(۲) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۶۵/۸۔
(۳) مسند احمد ابن حنبل: ۴۸۴/۲...... الادب المفرد، بخاری، رقم الحدیث: ۴۱۱۔

یعنی موت کی مصیبت بس آنے ہی والی ہے جو تمام لوگوں پر پھر کر رہے گی۔ لہٰذا اپنی خواہشات کا پجاری نہ بن، ہر آدمی مصیبت اور فنا کی طرف پھرنے والا ہے۔ اس دن کی ہولناکی سے ڈرو جو بڑا سخت دن ہوگا، اس دن کا شر ڈرانے والا ہوگا، وہ دن بڑا تنگ اور سخت ہوگا۔ تجھے کیا ہو گیا کہ تو نے تقویٰ کا توشہ نہیں لیا اور جب قبر میں تو رکھا جائے تو تیرا عمل تیرا ساتھی نہ ہوگا۔ تو اپنے عمل اچھے کر لے تا کہ جب وہ بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں تو درست ہوں اور یاد رکھنا کہ دوشنبہ اور جمعرات کو اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔

تیسری مجلس

حضور ﷺ کے وصال کے بیان میں

رازدانِ نبی، ابوبکر صدیق: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہو کر ارشاد فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اِختیار دے دیا ہے کہ چاہے تو اسے دنیا کی زیب وزینت دے دی جائے، یا پھر اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے اس کو اختیار کر لے، تو اللہ کے اس بندے نے جو کچھ خداوند قدوس کے پاس موجود ہے اس کو اختیار کر لیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت روئے، اور اشک بار پلکوں کے ساتھ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم نے اپنے ماں باپ آپ پر قربان کر دیے۔

راوی کہتے ہیں کہ یہ ماجرا دیکھ کر ہمیں بڑی حیرت ہوئی اور لوگ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ ذرا اس شیخ (یعنی ابوبکر صدیق) کو دیکھو کہ حضور تو کسی بندے کی بابت خبر دے رہے ہیں کہ اس کو زینت دنیا یا دولت عقبیٰ لینے کا اختیار دیا گیا۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے ماں باپ آپ پر وارے جائیں یا رسول اللہ!

راوی کہتے ہیں کہ (پھر ہمیں یہ بات بہت بعد میں پتا چلی کہ) جس بندے کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی۔ اور سیدنا ابوبکر نے اس راز کو اُسی وقت جان لیا تھا!

حضرت ابوبکر کا اِسلام و مسلمین پر احسانِ عظیم: (حضرت ابوبکر صدیق کے تعلق سے) سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ 'لوگوں میں سب سے زیادہ رفاقت و دولت کے لحاظ سے مجھ پر احسان ابوبکر کا ہے۔ اگر میں اہل دنیا سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو وہ یقیناً ابوبکر ہوتے؛ لیکن اسلامی بھائی چارہ (سب سے بہتر) ہے۔ مسجد میں آنے والے سارے دروازے بند کر دو، سوائے ابوبکر صدیق کے دروازے کے۔'(۱)

موت سے کس کو رُستگاری ہے!: یہ بات لوحِ دل پر نقش کر لینی چاہیے کہ ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن وادیِ موت میں اُترنا ہے، خواہ وہ انبیا و مرسلین ہوں یا کوئی اور۔ اللہ جل مجدہ نے اپنے پیارے محبوب دانائے غیوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا:

إِنَّکَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ . (سورۂ زمر: ۳۰/۳۹)

(اے حبیبِ مکرم!) بے شک آپ کو (تو) موت (صرف ذائقہ چکھنے کے لیے) آنی ہے☆ اور وہ یقیناً (دائمی ہلاکت کے لیے) مردہ ہو جائیں گے (پھر دونوں موتوں کا فرق دیکھنے والا ہوگا)۔☆

ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِکَ الْخُلْدَ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ، كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَّإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ . (سورۂ انبیا: ۲۱/۳۴،۳۵)

اور ہم نے آپ سے پہلے کسی اِنسان کو (دنیا کی ظاہری زندگی میں) بقائے دوام نہیں بخشی، تو کیا اگر

---

(۱) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۶۵۴...... صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۳۸۲۔

☆ جس طرح آیت: ۲۹ میں دی گئی مثال کے مطابق دو افراد کے احوال قطعاً برابر نہیں ہوں گے، اسی طرح ارشاد فرمایا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال اور دوسروں کی موت بھی ہرگز برابر یا مماثل نہیں ہوں گی۔ دونوں کی ماہیت اور حالت میں عظیم فرق ہوگا۔ یہ مثال اسی مقصد کے لیے بیان کی گئی تھی کہ شانِ نبوت کے باب میں ہمسری اور برابری کا گمان کلیتاً رد ہو جائے۔ جیسے ایک مالک کا غلام صحیح اور سالم رہا اور بہت سے بدخو مالکوں کا غلام تباہ حال ہوا، اسی طرح اے حبیبِ مکرم! آپ تو ایک ہی مالک کے برگزیدہ بندے اور محبوب و مقرب رسول ہیں، سو وہ آپ کو ہر حال میں سلامت رکھے گا اور یہ کفار بہت سے بتوں اور شریکوں کی غلامی میں ہیں سو وہ انہیں بھی اپنی طرح دائمی ہلاکت کا شکار کر دیں گے۔

آپ (یہاں سے) انتقال فرما جائیں تو یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں، ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور ہم تمہیں برائی اور بھلائی میں آزمائش کے لیے مبتلا کرتے ہیں اور تم ہماری ہی طرف پلٹائے جاؤ گے۔

ارشاد فرمایا :

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَّسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ .

(سورۂ آل عمران:۳/۱۴۴)

اور محمد (ﷺ بھی تو) رسول ہی ہیں (نہ کہ خدا)، آپ سے پہلے بھی کئی پیغمبر (مصائب اور تکلیفیں جھیلتے ہوئے اس دنیا سے) گزر چکے ہیں، پھر اگر وہ وفات فرما جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم اپنے (پچھلے مذہب کی طرف) اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے! اور جو کوئی اپنے الٹے پاؤں پھرے گا تو وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہیں بگاڑے گا، اور اللہ عنقریب (مصائب پر ثابت قدم رہ کر) شکر کرنے والوں کو جزا عطا فرمائے گا۔

فلسفۂ جسم و روح: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر ان میں اپنی روح کا چراغ روشن کیا۔ تو وہ روح حضرت آدم اور اولادِ آدم کے جسموں میں اس دنیا کے اندر بس وقتی طور کے لیے رکھی گئی ہے۔ کوئی وقت جاتا ہے کہ وہ روح بنی آدم کے جسموں سے نکال لی جائے گی اور ان کے جسموں کو اسی مٹی سے ملا دیا جائے گا جن سے ان کی پیدائش ہوئی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ جسموں کو دوبارہ زمین میں لوٹائے گا، اور ان میں دوبارہ اپنی روح ڈال کر انھیں حیاتِ دائمی عطا کرے گا، پھر انھیں اس طرح ہمیشگی کے گھر میں رکھا جائے گا کہ روح کبھی کالبد جسم سے باہر نہ آ سکے گی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ . (سورۂ اعراف:۷/۲۵)

تم اسی (زمین) میں زندگی گزارو گے اور اسی میں مرو گے اور (قیامت کے روز) اسی میں سے نکالے جاؤ گے۔

ارشاد فرمایا :

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى . (سورۂ طٰہٰ:۲۰/۵۵)

(زمین کی) اسی (مٹی) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے، اور اسی سے ہم تمہیں دوسری مرتبہ (پھر) نکالیں گے۔

ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ أَنۢبَتَكُم مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ، ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا .

(سورۂ نوح: ۷۱/۱۷، ۱۸)

اور اللہ نے تمہیں زمین سے سبزے کی مانند اگایا۔ پھر تم کو اسی (زمین) میں لوٹا دے گا اور (پھر) تم کو (اسی سے دوبارہ) باہر نکالے گا۔

جیسے زمین سبزے اُگاتی ہے ویسے ہی حکم خدا پا کر مردے اُٹھائے گی: ان آیات میں ہمیں یہ دکھایا گیا ہے کہ اس دنیا میں جس طرح کھیتیاں اُگتی ہیں، اسی طرح ہمارے جسم بھی مٹی سے دوبارہ زندہ نکل آئیں گے، جیسے اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ (یعنی بنجر) ہونے کے بعد بارش کے ذریعہ زندہ فرما دیتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے بندوں کے جسموں سے جب ان کی روحیں حالت نیند میں قبض کر لی جاتی ہیں تو بیداری میں ان کو پھر لوٹا دیا جاتا ہے۔ قرآن اس کی گواہی دے رہا ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرٰى إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُوْنَ.

(سورۂ زمر: ۳۹/۴۲)

اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور ان (جانوں) کو جنہیں موت نہیں آئی ہے ان کی نیند کی حالت میں، پھر ان کو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم صادر ہو چکا ہو اور دوسری (جانوں) کو مقررہ وقت تک چھوڑے رکھتا ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

مسند بزار میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے جب کہ وہ اپنی نمازوں سے سوتے رہ گئے تھے، فرمایا: اے لوگو! یہ روحیں بندوں کے جسموں میں عاریتاً ہیں، اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے ان کو روک لیتا ہے اور جب

چاہے ان کو جسموں میں چھوڑ دیتا ہے۔(۱)

استعدی للموت یا نفس وأسـ عی للنجاۃ فالحازم المستعد
قـد تیقنت أنه لیس للحـ ی خلود ولا من الموت بُد
إنما أنت مستعیرۃ ما سو ف تردین والعواری ترد

یعنی اے نفس! موت کے لیے تیار ہو جاؤ، اور نجات کی کوشش میں لگ جاؤ؛ کیوں کہ لذتوں کو توڑ ڈالنے والی موت آنے کے لیے تیار ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ نہ تو کسی زندہ کو یہاں باقی رہنا ہے اور نہ ہی موت سے بچ نکلنے کا کوئی چارہ ہے۔ اے نفس! تو یہاں تھوڑے عرصے کے لیے ہے، پھر جلد ہی تجھ کو لوٹا دیا جائے گا کہ مانگی ہوئی چیز بہر صورت لوٹانی ہی پڑتی ہے۔

فما أهل الحیاۃ لنا بأهل ولا دار الفناء لنا بدار
وما أموالنا والأهل فیها ولا أولادنا إلا عواری
وأنفسنا إلی أجل قریب سیأخذها المعیر من المعار

یعنی زندہ لوگوں میں کوئی ہمارے اہل خانہ نہیں ہیں اور نہ ہی اس فنا کے گھر دنیا میں ہمارا کوئی گھر ہے۔ ہمارے مال، ہماری اولاد اور ہمارے گھر والے سب کے سب اُدھار ہیں۔ ہماری جانیں موت کے بالکل قریب ہیں۔ اور اُدھار دینے والا بہت جلد اپنی اُدھار دی ہوئی چیزوں کو واپس لینے والا ہے۔

جسم و روح کا باہمی تعلق: جب جسم سے روح نکلتی ہے تو بہت شدید تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ تکلیف جسم و روح دونوں محسوس کرتے ہیں؛ کیوں کہ روح کا تعلق جسم سے ہے اور اس کو جسم سے الفت ہے۔ جب روح جسم میں داخل ہو جاتی ہے تو اس کی جسم سے الفت شدید تر ہوتی جاتی ہے، اور اس کا اس جسم سے اِمتزاج ہو جاتا ہے، گویا کہ وہ دونوں مل کر ایک ہی چیز بن جاتے ہیں، پھر وہ دونوں جدائی برداشت نہیں کر پاتے، سوائے اس کے کہ ان کو جدا کرنے کے لیے انتہائی کوشش کی جائے اور ایک ناقابل برداشت تکلیف سے دوچار ہوا جائے۔ ابن آدم ایسی تکلیف جیتے جی کبھی نہیں چکھ پاتا۔ اسی فلسفے کی طرف معروف آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

(۱) کشف الاستار عن زوائد البزار، ہیثمی، رقم الحدیث:۲۹۶۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ . (سورۂ آل عمران:۳/۱۸۵......سورۂ انبیاء:۲۱/۳۵......سورۂ عنکبوت:۲۹/۵۷)

ہر جان، موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔

حضرت ربیع بن خثیم فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! موت کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو، (اور اس کے لیے تیاری کرو) کہ تم نے موت کا سا ذائقہ موت کے آنے سے پہلے نہیں چکھا۔

عالم جاں کنی کی وحشتیں: موت کی تکلیف اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب مرنے والے کو اس بات کا اِحساس ہو جاتا ہے کہ اب جسم وروح کا تعلق ٹوٹ جائے گا، اور وہ ایک حسرت آفریں نعش بن جائے گا، جسے کیڑے مکوڑے کھا ڈالیں گے اور مٹی اس کے جسم کو بوسید کر ڈالے گی، یہاں تک کہ وہ خود مٹی بن جائے گا۔

اس پر مستزاد یہ کہ اسے اپنے سے جدا ہونے والی روح کا بھی پتا نہیں ہوتا کہ اس کا ٹھکانہ کہاں ہوگا۔ آیا وہ جنت میں جائے گی یا جہنم میں۔ اس لیے اگر مرنے والا عاصی وخاطی ہو اور اخیر وقت تک گناہ پر ڈٹا رہا تو غالب گمان یہی ہے کہ اس کی روح جہنم کے گڈھے میں ڈال دی جائے گی، تو یہ سوچ کر اس کی حسرت وتکلیف مزید چند آتشہ ہو جاتی ہے۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسی دوران اس کو دوزخ میں اس کا ٹھکانہ بھی دکھا دیا جاتا ہے، یا آتش جہنم میں جلنے کی خبر وحشت اَثر دے دی جاتی ہے، تو ایسے موقع پر موت کی تکلیف کے ساتھ اپنے برے ٹھکانے کا سوچ کر وہ درد والم کا گویا پیکر بن جاتا ہے، اور مندرجہ ذیل فرمانِ باری تعالیٰ کا مفاد یہی ہے:

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ . (سورۂ قیامہ:۷۵/۲۹) اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹنے لگے۔

اس کی تفسیر کثرت سے سلف صالحین نے یہ کی ہے کہ اس پر سکراتِ موت کے ساتھ دنیا کے چھوٹنے کی حسرت بھی اکٹھا ہو جاتی ہے۔ اس وقت اس کا کیا حال ہوگا، اس کے بارے میں بتانے کا بھلا کسے یارا ہوگا!

اللہ تعالیٰ نے موت کی تکلیف کے لیے قرآن میں سکرۃ کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جس کے معنی مدہوشی کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ موت کی تکلیف اور موت کے لوازمات مرنے والے کو مدہوش کر دیتے ہیں اور عام طور پر اس کی عقل غائب ہو جاتی ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ . (سورۂ ق:۵۰/۱۹)
اور موت کی بے ہوشی حق کے ساتھ آ پہنچی (اے انسان!) یہی وہ چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔
بقولِ شاعر

ألا للموت كأس أى كأس　　　وأنت لكأسه لا بد حاسى
إلى كم والممات إلى قريب　　　تذكر بالممات وأنت ناسى

یعنی یاد رکھنا کہ موت کے لیے ایک پیالہ ہے، مگر کیسا پیالہ، تو جلد ہی اس پیالے کے بارے میں جاننے والا ہے۔ کب تک سرکشی مست رہو گے، موت بہت قریب آ پہنچی ہے۔ تجھے موت یاد دلائی جاتی ہے، پھر تو اسے بھول جاتا ہے۔

موت کی یاد سے اِک لمحہ نہ غافل ہونا: سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کو زیادہ سے زیادہ یاد کرنے کا ہمیں حکم دیا ہے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

أكثروا ذكر هادم اللذات [يعنى] الموت .
یعنی لذتوں کا قلع قمع کر دینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو۔(۱)

ایک حدیث مرسل میں آتا ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی مجلس سے گزرے کہ جہاں سے ہنسنے کی آواز بلند ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا:

شوبوا مجلسكم بذكر مكدر اللذات، الموت .
یعنی اپنی مجلسوں میں لذتوں کا نشہ اُتار دینے والی چیز موت کی یاد داخل کرو۔(۲)

موت کو زیادہ سے زیادہ یاد کرنے میں کئی فائدے ہیں۔ موت کے آنے سے پہلے آدمی موت کی تیاری کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اپنی اُمیدوں کا دائرہ کم سے کم کر دیتا ہے۔ تھوڑی روزی پر قناعت کر لیتا ہے۔ دنیا سے اس کا دل اُچاٹ ہو جاتا ہے۔ آخرت پانے کی اس میں للک پیدا ہو جاتی ہے۔ مصائب دنیا اس پر آسان ہو جاتے ہیں۔ برائی وتکبر سے رک جاتا ہے۔ اور دنیا کی لذتوں میں الجھنے سے بچ جاتا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے جسے ابن حبان وغیرہ نے بھی اپنی

---

(۱) سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۳۰۷...... سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۴۲۵۸۔
(۲) جامع صغیر، سیوطی، رقم الحدیث: ۴۹۰۸۔

صحیح میں نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحف، عبرت ونصیحت سے بھرے ہوئے تھے، جن میں ایک بات یہ بھی تھی:

’مجھے تعجب ہے اس شخص پر جسے موت کا یقین ہے، پھر وہ کیسے خوشیوں میں مست رہتا ہے۔ مجھے حیرت ہے اس انسان پر جسے دوزخ کا یقین ہے، پھر وہ کیسے قہقہے لگاتا ہے۔ مجھے حیرانی ہے اس آدمی پر جسے تقدیر پر یقین ہے، پھر وہ کیوں غم کرتا ہے۔ مجھے استعجاب ہے اس بندے پر جو دیکھ رہا ہے کہ دنیا کس تیزی سے ختم ہو رہی ہے، اور اہل دنیا کے حالات بگڑتے جا رہے ہیں، پھر بھی وہ دنیا پر کیسے مطمئن ہو جاتا ہے۔‘(۱)

روایتوں میں آتا ہے کہ دو بچوں کے لیے رکھے گئے ایک خزانے میں سونے کی ایک تختی ملی تھی، اس کے اندر بھی ایسا ہی کچھ لکھا ہوا تھا۔

تابعی کبیر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ موت نے عیش وعشرت کی زندگی گزارنے والوں کی زندگیاں غارت کر دی؛ لہٰذا ایسا عیش تلاش کرو جس میں موت وزوال نہ ہو۔ پھر فرماتے ہیں کہ موت نے دنیا کو ذلت وخواری سے ہمکنار کر دیا۔ الغرض! موت نے کسی عقل کے لیے کوئی خوشی نہ چھوڑی۔

موت کی یاد نے زندگی کی لذتیں چھین لیں: ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ موت کی یاد ہر عیش کی لذت لے گئی، اور ہر نعمت کا کیف اس نے چھین لیا۔ پھر روتے ہوئے کہنے لگے: کتنا اچھا ہے وہ گھر جس میں موت نہ ہوگی۔ بقولِ شاعر ؎

أذکر الموت ھادم اللذات　　　وتھیأ لمصرع سوف یأتی

یعنی موت کو ہمیشہ یاد رکھو کیوں کہ وہ لذتوں کو کاٹ ڈالتی ہے۔ اور اکھاڑے میں اُترنے کے لیے تیار رہو کہ موت کسی بھی وقت آ سکتی ہے۔

ایک دوسرے شاعر نے موت کی منظر کشی یوں کی ہے ؎

یا غافل القلب عن ذکر المنیات　　　عما قلیل ستلقی بین أموات
فاذکر محلک من قبل الحلول بہ　　　وتب إلی اللّٰہ من لھو ولذات
إن الحمام لہ وقت إلی أجل　　　فاذکر مصائب أیام وساعات
لا تطمئن إلی الدنیا وزینتھا　　　قد آن للموت یا ذا اللب أن یأتی

---

(۱) صحیح ابن حبان: ۶۵/۲، رقم الحدیث: ۳۶۱۔

یعنی اے موت کی یاد سے غفلت برتنے والے دل! بس کوئی وقت جاتا ہے کہ تو خود کو مردوں کے درمیان پائے گا۔ اس جگہ پہنچنے سے پہلے اس کو خوب یاد کرو اور بارگاہِ الٰہی میں کھیل کود اور خواہشاتِ نفسانی سے سچی توبہ کرو۔ بے شک موت کا ایک وقت ہے، وہ اپنے وقت ہی پر آئے گی۔ تاہم تجھے چاہیے کہ شب و روز میں آنے والے مصائب کو ذہن میں رکھ۔ دنیا اور اس کی زینت پر مطمئن ہو کر بیٹھ نہ جانا کہ اے عقل مند! موت آنے والی ہے؛ لہٰذا اس کی پوری تیاری رکھو۔

ایک بزرگ نے فرمایا کہ دو چیزوں نے مجھ سے دنیا کی لذتوں کو چھین لیا۔ ایک موت کی یاد اور دوسرے اللہ تعالیٰ کے آگے کھڑے ہونے کا خوف۔ شاعر کہتا ہے ؎

وکیف یلذ العیش من کان موقنا بأن المنایا بغتۃ ستعاجلہ

وکیف یلذ العیش من کان موقنا بأن إلہ العرش لا بد سائلہ

یعنی وہ شخص بھلا زندگی کی لذتیں کیسے پا سکتا ہے جسے اس بات کا یقین ہو کہ موت بہت جلد اور اچانک آ دبوچے گی۔ وہ آدمی بھلا زندگی کی لذتوں سے کیسے لطف اندوز ہو سکتا ہے جس کو اس بات کا یقین ہے کہ مالک عرش اس کی باز پرس ضرور فرمائے گا۔

موت بہترین واعظ ہے: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وعظ و نصیحت کے لیے موت کافی ہے۔ اور زمانہ ہجر و فراق کے لحاظ سے کافی ہے۔ آج تم سیر و تفریح میں لگے ہوئے ہو کل یقیناً قبر کے گڑھے میں ہوں گے۔ بقولِ شاعر ؎

اذکر الموت ولازم ذکرہ إن فی الموت لذی لب عبر

وکفی بالموت فاعلم واعظا لمن الموت علیہ قد قدر

یعنی موت کو یاد کرو، اور اس کی یاد کو اپنے اوپر لازم کر لو؛ کیوں کہ موت کے اندر اہل عقل و خرد کے لیے بڑی عبرت و نصیحت ہے۔ تیرے علم میں یہ بات ہونی چاہیے کہ وعظ و پند کے لیے موت کافی ہے، ایک ایسے آدمی کے لیے جس کے لیے موت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے: بڑی عجیب بات ہے کہ ہر انسان کو پتا ہے کہ اسے ایک نہ ایک روز دنیا چھوڑ جانا ہے، پھر بھی وہ ردائے غفلت اوڑھے سویا ہوا ہے، اور لمبی لمبی آرزوئیں اس نے باندھ رکھی ہیں۔ کسی شاعر نے کتنے پتے کی بات کہی ہے ؎

کلنا فی غفلة والموت یغدو ویروح   لبنی الدنیا من الموت غبوق وصبوح
سیصیر المرء یوما جسدا ما فیه روح   بین عینی کل حی علم الموت یلوح
نح علی نفسک یا مسکین إن کنت تنوح   لتموتن ولو عمّرت ما عمّر نوح

یعنی ہم سب غفلت میں پڑے ہیں اور موت صبح وشام آ جا رہی ہے۔ دنیا کے اندر موت کا آنا جانا صبح وشام لگا ہوا ہے۔ عنقریب ایک دن آئے گا کہ انسان بے روح مردہ جسم پڑا ہوگا، میری دونوں آنکھوں کے سامنے ہر ذی روح موت کی علامت بن کر چمک رہا ہے۔ اے مسکین! اگر تو گریہ وبکار کرسکتا ہے تو اپنی جان پر کر کہ تجھ کو ایک روز ضرور مرنا ہے، اگرچہ تیری عمر حضرت نوح کی مانند طویل ہو جائے۔

انسان چاہے نہ چاہے بالآخر موت ہے: ہر چند کہ موت طبیعت کو ناگوار ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس میں بڑی شدت اور عظیم مشقت ہے؛ تاہم کوئی نبی ایسا نہیں ہوا کہ مرنے سے پہلے اس کو زندہ رہنے یا وصال کر جانے کا اختیار نہ دیا گیا ہو۔ اسی وجہ سے مومن کے بارے میں تردد واقع ہوا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما ترددت عن شيئ أنا فاعله، ترددي في قبض نفس عبدي المؤمن، یکره الموت وأکره مساء ته، ولا بد له منه.

مجھے کسی چیز کے کرنے میں تردد نہیں ہوتا، سوائے اپنے مومن بندے کی روح قبض کرنے میں کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے، اور میں بھی اسے ناپسند آنے اور تکلیف دینے والی چیز (موت) کو ناپسند کرتا ہوں؛ لیکن موت اس کے لیے بہر حال لابدی ہے (اس لیے اسے موت کا گھونٹ پینا ہی پڑتا ہے۔)

امام بخاری نے اسے ذکر کیا ہے۔(۱)

پیغمبروں کی نگاہ میں تصورِ موت: حضرت ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی روح نے قفس عنصری سے پرواز کیا تو اللہ رب العزت نے پوچھا: اے ابراہیم! تو نے موت کو کیسا پایا؟ عرض کی اے پروردگار! ایسا لگ رہا تھا گویا کہ میری جان جھلی کے اندر سے کھینچی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے تو تمھارے لیے موت کو بہت آسان کر دیا تھا۔

---

(۱) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۶۵۰۲ ...... مسند احمد بن حنبل: ۶/۲۵۶۔

حضرت ابواسحٰق کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے موت کا ذائقہ کیسا پایا؟ فرمایا: ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی لوہے کی کنگھی کو اونی کپڑوں میں ڈال کر کھینچا جا رہا ہو اور وہ ادھڑ رہا ہو (یہی حال میرے جسم کا تھا)۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: اے موسیٰ! ہم نے تو موت تمھارے لیے بہت آسان کر دیا تھا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام موت کا تذکرہ چھیڑتے تو ان کی کھال سے خون کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے اور وہ اپنے حواریین کو مخاطب کر کے فرماتے کہ: میرے لیے بارگاہِ خداوندی میں دعا کیا کرو کہ موت کے وقت آسانی نصیب ہو جائے؛ ورنہ مجھے موت کا اتنا شدید خوف لاحق ہے کہ لگتا ہے موت سے پہلے ہی موت آجائے گی۔

غور طلب بات ہے کہ انسان اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے تعلق سے کیوں اُمید لگائے بیٹھا ہے، جب کہ کوئی پیغمبر (بظاہر) دنیا میں باقی نہیں رہا۔ یا وہ بھلا موت کے چنگل سے کیسے بچ سکتا ہے کہ نیک لوگ اور سچے احباب سب ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ایسا سوچنا بڑی نادانی اور بھول ہے۔ بقولِ شاعر ؎

قد مات کل نبی　　ومات کل نبیه
ومات کل شریف　　وعاقل وسفیه
لایوحشنک طریق　　کل الخلائق فیه

یعنی ہر پیغمبر نے پردہ فرمایا اور ہوش وخرد والا دنیا سے رخصت ہو گیا۔ نیک وشریف، اور چالاک وبے وقوف ہر کسی نے جامِ اجل نوش کر لیا۔ لہٰذا وہ راستہ تجھے وحشت میں نہ ڈالے جس راستے میں ساری مخلوق چل رہی ہے۔

حضور ﷺ کو اپنے وصال کا علم کب ہوا؟: سرکارِ دوعالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی عمر کے پورا ہونے اور دنیا سے رخصت کا سب سے پہلے علم اس وقت ہوا جب سورۂ نصر (اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ) نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا علم تھا کہ آپ کب وصال فرمائیں گے؟ تو آپ نے کہا کہ ہاں۔ پھر پوچھا گیا کہ وہ کیسے؟ تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سورۂ نصر کے

اندر آپ کے وصال کی علامت بیان فرمادی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آجائے یعنی مکہ فتح ہوجائے اور آپ لوگوں کو دین الٰہی میں فوج در فوج داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیں، علاوہ بریں آپ نے شہزادیِ جنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو اپنے وصالِ ظاہری کی خبر دی تھی۔

سورۂ نصر کا مفاد و مراد یہ ہے کہ اے محمد! جب آپ کے لیے شہر فتح ہوجائیں اور لوگ آپ کے لائے ہوئے دین میں جوق در جوق داخل ہونے لگیں تو سمجھ لیں کہ آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کا وقت قریب آپہنچا ہے، پھر آپ ہم سے ملاقات کی تیاری فرمالیں اور حمد واستغفارِ باری تعالیٰ میں مشغول ہوجائیں کہ آپ کو دنیا میں مبعوث کیے جانے کا مقصدِ دعوت وتبلیغ اب حاصل ہوگیا۔ اور آپ کے لیے ہمارے پاس دنیا کی نسبت بہترین چیزیں ہیں؛ لہٰذا ہمارے پاس آنے کے لیے رخت سفر باندھ لیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ سورت نازل ہوئی جس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا سے کوچ کرنے کی اطلاع دی گئی تو آپ امر آخرت کے لیے پہلے سے کہیں زیادہ مستعد اور کوشاں ہوگئے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنی عبادت کرنی شروع کردی کہ آپ پرانی مشک کی مانند ہوگئے۔ اس سے پہلے آپ کا معمول تھا کہ آپ ہر سال رمضان میں حضرت جبرئیل کے ساتھ قرآن کا ایک دور کیا کرتے تھے؛ لیکن حیاتِ مبارکہ کے آخری رمضان میں دو دفعہ دور فرمایا۔ یوں ہی رمضان کے آخری عشرے میں ہمیشہ دس دن اِعتکاف بیٹھنے کا معمول تھا؛ لیکن آخری سال میں بیس دنوں کا اعتکاف فرمایا اور ذکر و اِستغفار میں بھی کافی تیزی آگئی تھی۔

عمر کے آخری پڑاؤ پر کثرتِ توبہ واِستغفار: حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی آخری عمر میں یہ معمول ہوگیا تھا کہ اٹھتے بیٹھتے اور آتے جاتے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھتے رہتے تھے۔ میں نے جب آپ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: مجھے اس کا حکم ملا ہے اور پھر آپ نے سورۂ نصر تلاوت فرمائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے

وصالِ ظاہری سے پہلے ان کلمات کی کثرت رکھتے تھے: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! آپ یہ دعا اِن اَیام سے قبل تو اس کثرت سے نہیں پڑھا کرتے تھے؟ تو فرمایا کہ مجھے میرے رب نے خبر دی تھی کہ میں عنقریب آپ کو آپ کی اُمت میں ایک علامت دکھلاؤں گا، پھر جب آپ وہ نشانی دیکھ لیں تو کثرت سے تسبیح وتحمید اور اِستغفار کریں۔ اور میں نے وہ علامت دیکھ لی ہے۔ پھر آپ نے سورۂ نصر کی تلاوت کی۔

جب سرکارِ ابد قرار سید المحسنین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اس بات کا حکم تھا کہ اپنے اعمال کا اختتام نیکیوں کے ساتھ کریں تو ایک گناہ گار جس کی زندگی برائیوں اور معصیتوں میں گزری ہے وہ تو اس سے کہیں زیادہ اِستحقاق رکھتا ہے کہ اپنے ظاہر و باطن کی تطہیر کے لیے کثرت سے توبہ واستغفار بجالائے! جس کو موت کے قریب آجانے سے وحی نہیں ڈراپاتی، اس کو بڑھاپا آگاہ کردیتا ہے۔ یاد رہے کہ جب موت آتی ہے تو دوستوں کو چھین لیتی ہے۔

کفی مؤذنا باقتراب الأجل — شباب تولی وشیب نزل
وموت اللذاذة هل بعده — بقاء یؤمله من عقل
إذا ارتحلت قرناء الفتی — علی حکم ریب المنون ارتحل

یعنی موت کے قریب آجانے کی خبر دینے کے لیے وہ جوانی ہی کافی ہے جو گزر گئی اور بڑھاپا آگیا۔ لذتوں کو فنا ہونے کے بعد کوئی بقا ہے کہ جس کی عقلمند آدمی تمنا کرے۔ جب کسی نوجوان کے دوست کوچ کر جائیں تو یہ اس کے لیے حوادثِ زمانہ کے حکم میں ہے کہ وہ بھی کوچ کی تیاری میں لگ جائے۔

مختلف عمر کے لوگوں کو ایک فرشتے کی تنبیہ: حضرت وہیب بن ورد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پکارنے والا فرشتہ متعین ہے، جو آسمانوں میں روزانہ پچاس سالہ لوگوں کو پکار کر کہتا ہے: فصلیں کاٹنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ ساٹھ سال کی عمر کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے: چلو اَب حساب کتاب کرلو۔ ستر سالہ عمر کے لوگوں سے کہتا ہے: تم نے آگے کیا بھیجا اور پیچھے کیا چھوڑا؟ اور اسی سالہ بوڑھوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے: تمھارے لیے کوئی عذر نہیں۔

حضرت وہب بن منبہ (م ۱۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ پکارنے والا پکار کر یہ بھی کہتا ہے کہ اے ساٹھ سالہ لوگو! اَب تم خود کو مردوں میں شمار کرو۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ بندے کا عذر اس کی عمر کے اخیر تک قبول فرماتا ہے، یہاں تک کہ وہ ساٹھ سال کا ہوجائے۔

ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن آواز لگائی جائے گی: ساٹھ سال کی عمر والے کہاں ہیں؟ یہ عمر وہی ہے جس کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

أَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ . (سورۂ فاطر: ۳۵/۳۷)

کیا ہم نے تمھیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا، وہ سوچ سکتا تھا!(۱)

اُمت محمدیہ کے اَفراد کی اَوسطِ عمر: سنن ترمذی میں ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: 'میری اُمت کی عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہوں گی، اور کم ہی لوگ اس کے آگے جاسکیں گے۔'(۲)

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ 'موت کا میدان ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے۔'(۳)

جب کہ ایک اور حدیث کے اندر وارد ہے کہ 'ہر چیز کو کاٹنے کا ایک وقت ہوتا ہے اور میری اُمت کی فصل کٹنے کا وقت ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے۔'(۴) اور اسی درمیانیے میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا۔

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ جو شخص حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف (یعنی ترسٹھ سال) پالے، تو اسے چاہیے کہ اپنا کفن تیار رکھے۔ بقولِ شاعر ؎

وإن امرأ قد سار ستين حجة   إلى منهل من وُرده لقريبُ

یعنی جب کسی آدمی کی عمر ساٹھ سال تک پہنچ جائے تو پھر اسے (جان لینا چاہیے کہ موت کے) گھاٹ پر اُترنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔

کرلو توبہ رب کی رحمت ہے بڑی: حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ نے ایک آدمی سے پوچھا

---

(۱) جامع صغیر سیوطی، رقم الحدیث: ۸۱۷۔

(۲) سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۵۵۰...... سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۴۲۳۶۔ مستدرک: ۲/۴۲۷۔

(۳) جامع صغیر سیوطی، رقم الحدیث: ۸۱۸۷۔

(۴) جامع صغیر سیوطی، رقم الحدیث: ۷۳۱۲۔

کہ تیری عمر کتنی ہے؟ وہ کہنے لگا: ساٹھ سال۔ آپ نے فرمایا: گویا تو ساٹھ سال سے رب کی طرف چل رہا ہے، اُمید ہے کہ جلد ہی تو رب تک پہنچ جائے گا!۔ یہ سن کر اس آدمی نے کہا: **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون**. (یعنی آپ میری موت کے خواہاں ہیں)

آپ نے فرمایا: (ایسا نہیں مگر بات یہ ہے کہ) جو شخص یہ جانتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور اسے اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے تو اسے یہ بھی جاننا چاہیے کہ اسے اپنے مالک ومولیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہونا ہے اور سارے کیے دھرے کا جواب دینا ہے؛ لہٰذا اسے سارے جواب تیار رکھنے چاہئیں۔

اس آدمی نے کہا کہ پھر کیا چارۂ کار ہے؟ آپ نے فرمایا: بڑا آسان سا طریقہ ہے۔ پوچھا: وہ کیا؟ آپ نے فرمایا: اپنی بچی کھچی زندگی کو اچھے کاموں میں لگا دو اور عمر رفتہ کے گناہوں سے توبہ کرلو؛ کیوں کہ اگر تم آئندہ زندگی میں بھی گناہ کرتے رہے تو گزشتہ اور آئندہ دونوں عمر کے گناہوں میں ماخوذ ہوگے!۔ شاعر کہتا ہے

خـذ فی جِدّ فقد تولی العمر　　　کم ذا التفریط قد تدانی الأمر

أقبل فعسی یقبل منک العذر　　　کم تبنی کم تنقض کم ذا الغدر

یعنی جدوجہد میں لگ جاؤ کہ کاروانِ عمر آگے بڑھتا چلا جارہا ہے۔ کتنے ہی معصیت کیش ایسے ہیں کہ ان کی موت کا وقت سر پر آپہنچا ہے۔ جلدی سے اپنی کوتاہیوں کی معافی معاف لے، شاید تیرا عذر سن لیا جائے؛ آخر کب تک تو اُدھیڑ بن کر کے آمادۂ بغاوت رہے گا۔

حضور ﷺ نے اپنے وصال سے لوگوں کو آگاہی بخشی: نبی غیب داں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی عمر کے آخری پڑاؤ پر اشارے کنایے میں لوگوں کو اپنے وصال سے باخبر کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ جب آپ نے آخری حج فرمایا تو لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

خذوا عني مناسككم، فلعلي لا ألقاكم بعد عامي هٰذا .

یعنی لوگو! مجھ سے مناسک حج سیکھ لو، شاید میں اس سال کے بعد تم سے ملاقات نہ کرسکوں۔(۱)

پھر لوگوں کو رخصت کرتے ہوئے فرمارہے تھے کہ یہ تو الوداعی حج ہے۔ پھر جب آپ ادائیگی حج کے بعد مدینہ لوٹ رہے تھے تو مکہ ومدینہ کے درمیان میں 'خم' نامی پانی کے ایک

(۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۲۹۷۔

چشمے کے پاس لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:

أيها الناس! إنما أنا بشر، يوشک أن يأتيني رسول ربي فأجيب.

یعنی اے لوگو! میں ایک بشر ہوں، قریب ہے کہ میرے پروردگار کا قاصد میرے پاس آجائے تو میں اسے لبیک کہوں۔(۲)

پھر آپ نے لوگوں کو کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑے رہنے اور اہل بیت سے اچھا سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی۔

جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرضِ وصال کا آغاز ہوا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو لقاے الٰہی، اور دنیا کی زینت اور یہاں باقی رہنے کے بارے میں اختیار دیا گیا کہ جب تک آپ چاہیں دنیا میں قیام فرمائیں۔ تو آپ نے وصالِ مولیٰ کو پسند فرمایا اور لوگوں کو خطبہ دے کر بغیر تصریح کے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا۔

پھر ماہِ صفر کے اَواخر میں جب مرض کی اِبتدا ہوئی، اور مرض کی مدت مشہور قول کے مطابق تیرہ دن ہے، بعض نے چودہ دن کا بھی قول کیا ہے اور بعض کے نزدیک بارہ دن، جب کہ کچھ نے دس دن کا بھی قول کیا ہے، مگر یہ قول غریب ہے۔ اوپر مذکور ہونے والا خطبہ دراصل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ آپ کے مرض کی ابتدا سے پہلے کا واقعہ ہے۔

حضور ﷺ کو دنیا وآخرت میں سے کسی کو اِختیار کرنے کا حق: مسند احمد، اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مرضِ وصال میں ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کے سرِ اقدس پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ پھر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کہ ایک بندے کے سامنے دنیا اور اس کی زیبائش پیش کی گئی؛ لیکن اس نے آخرت کو پسند کرلیا۔

راوی کہتے ہیں کہ موجود لوگوں میں سے بجز حضرت ابوبکر کے کوئی اس بات کو نہ سمجھ سکا، (اور ابوبکر صدیق) فرمانے لگے: میرے ماں باپ بلکہ مال ومنال سب آپ پر وارے جائیں اور ہماری اولادیں آپ پر فدا ہوں۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے۔ اور

---

(۲) صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۴۰۸۔

(یہ منبر پر آپ کا آخری خطبہ تھا کہ) اس کے بعد پھر دنیا سے پردہ فرما جانے تک آپ کو منبر پر نہ دیکھا گیا۔(۱)

مسند احمد ہی میں ہے کہ حضرت ابومویہبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: 'سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات جنت البقیع تشریف لے گئے اور اہل قبور کے لیے دعا کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اس زمانے میں نہیں ہو جس زمانے میں (ہم) لوگ ہیں کہ فتنہ وفساد اندھیری رات کی طرح سایہ کناں ہیں، فتنے ایک دوسرے کے پیچھے چلے آرہے ہیں۔ بعد میں آنے والا پہلے سے آنے والے فتنے کے ساتھ ملا ہوا ہے اور بعد میں آنے والا فتنہ پہلے فتنے سے بڑھا ہوا ہے۔

پھر فرمایا: اے ابومویہبہ! میرے سامنے دنیا کی رہائش، دنیا کے خزانے اور وعدۂ جنت کو پیش کر کے مجھے اختیار دیا گیا کہ خواہ میں انھیں پسند کرلوں یا اپنے مالک ومولیٰ سے ملاقات کو پسند کروں، تو میں نے اپنے مولیٰ کی ملاقات اور جنت کو پسند کرلیا۔ پھر آپ واپس تشریف لے آئے اور اُس تکلیف کی شروعات ہونے لگی جس میں آپ نے دنیا کو چھوڑا'۔(۲)

جب تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت ربانی اپنے کمال کو پہنچ گئی تو پھر آپ کے اندر اللہ رب العزت سے ملاقات کا اِشتیاق فزوں ہونے لگا۔ تو اس موقع پر آپ کو دنیا میں رہنے اور اللہ سے ملاقات کرنے کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے دنیا کے خزائن وقیام کو ترک کر کے اپنے مالک ومولیٰ سے ملاقات کو پسند فرمالیا۔

ایک بار شیخ شبلی سے پوچھا گیا کہ کیا محبّ اپنے محبوب کے دیدار کو چھوڑ کر کسی اور چیز پر راضی ہوسکتا ہے تو انھوں نے جواب میں مندرجہ ذیل اشعار گنگنائے ؎

واللّٰہ لو أنک توجتنی　　بتاج کسریٰ ملک المشرق
ولو بأموال الوریٰ جدت لی　　أموال من باد ومن قد بقی
وقلت لی: لا نلتقی ساعة　　اخترت یا مولای أن نلتقی

یعنی خدا کی قسم! اگر تو بادشاہِ مشرق کسریٰ کے تاج لاکر میرے سر پر سجادے اور بھری دنیا کی دولتیں لاکر میرے قدموں میں بچھادے اور پھر تو مجھ سے کہے کہ ایک لمحے کے لیے تم مجھ سے دور رہو تو میرے سرتاج! مجھے (تخت وتاج اور مال ومنال کے مقابلے میں) آپ کی ملاقات عزیز ومحبوب ہے۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۹۱/۳۔　(۲) مسند احمد بن حنبل: ۴۸۸/۳، ۴۸۹......الاصابۃ ابن حجر: ۱۸۸/۴۔

فضائل و خصائص صدیق اکبر ﷺ: جب تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اپنے رب سے ملاقات کو دنیا میں ہمیشہ رہنے پر ترجیح دی تو اُس وقت اس بات کی وضاحت نہ فرمائی کہ اس سے مراد کون بندہ ہے، اس لیے اکثر سننے والوں پر آپ کے ارشاد مبارک کا مطلب پوشیدہ رہا۔ آپ کی مراد کو آپ کے مخصوص صحابی (یعنی یارِ غار وقبر سیدنا ابوبکر صدیق) کے علاوہ کوئی اور نہ سمجھ سکا، جن کے بارے میں فرمانِ قرآن عظیم الشان ہے:

ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ اِذۡ هُمَا فِی الۡغَارِ . (سورۂ توبہ:۹/۴۰)

وہ دو (ہجرت کرنے والوں) میں سے دوسرے تھے جبکہ دونوں غارِ (ثور) میں تھے۔

اور وہ حضرت صدیق اکبر ہی کی ذات تھی جو تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصد ومشن کو اُمت میں سب سے بڑھ کر جانتے تھے؛ اسی لیے جیسے انھوں نے وہ فرمانِ رسالت مآب سنا، تو بے ساختہ رونے لگے، اور فرمایا کہ ہماری جان ومال اور اولاد سب آپ پر قربان۔ اس وقت محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں تسلی دی اور ان کی توصیف کرتے ہوئے منبر پر ان کا مرتبہ ومقام بیان کیا، تاکہ ہر شخص ان کی بے پایاں فضیلت پر مطلع ہوجائے اور خلافت کے مسئلے میں اُمت کے اندر کوئی اختلاف واقع نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: 'لوگوں میں سب سے بڑھ کر محبت وفدائیت اور مال ودولت کے لحاظ سے مجھ پر ابوبکر کا احسان ہے۔'

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: 'ہمارے اوپر جس کا بھی کوئی احسان تھا، ہم نے اسے چکا دیا، بجز ابوبکر کے کہ ان کا ہم بہت بڑا احسان ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی بروزِ قیامت ان کے احسانات کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ اور مجھے کبھی کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا کہ ابوبکر کے مال نے پہنچایا'۔ اس کی تخریج امام ترمذی نے فرمائی ہے۔(۱)

پھر گفتگو جاری رکھتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا: 'اگر میں اہل دنیا میں سے کسی کو اپنا خلیل چنتا تو وہ ابوبکر ہی ہوتے، لیکن اسلامی بھائی چارہ (سب سے بہتر) ہے۔'(۲)

---

(۱) سنن ترمذی، رقم الحدیث:۳۶۶۱......صحیح ابن حبان، رقم الحدیث:۲۱۶۶۔

(۲) سنن ترمذی، رقم الحدیث:۳۶۶۱۔

جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اللہ کے خلیل ہیں تو ان کے اس خلیل ہونے میں کسی مخلوق کی یہ مجال کہاں کہ وہ ان کی خلت کے درمیان حائل ہوجائے؛ کیوں کہ خلیل وہ ہوتا ہے جس میں خلیل کی محبت اس طرح جاری ہو جس طرح کہ روح جسم میں ہوتی ہے اور اس چیز کی بشر میں صلاحیت نہیں کہ وہ کسی کا خلیل بن سکے۔ بقولِ شاعر ؎

قد تخللت مسلک الروح مني وبذا سُمي الخليل خليلا

یعنی میرے اندر روح کا راستہ جاری وساری ہے، اسی وجہ سے خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے۔

خلت کی اسی معنویت کی وجہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو اپنے بیٹے (اسماعیل) کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا، محض بیٹے کا ناحق خون بہانا مقصود نہ تھا، بلکہ محل خلت یعنی محبت کی جگہ دل کو ایسی چیز سے فارغ کرنا تھا جو خلت کی صلاحیت نہیں رکھتی تاکہ اللہ تعالیٰ اور ان کے خلیل کے درمیان جو خلت ہے اس میں کوئی مزاحم نہ ہو۔ شاعر نے کیا خوب ترجمانی کی ہے ؎

أروح وقد ختمت علی فؤادي بحبک أن يحل به سواکا

فلو أني استطعت غضضت طرفي فلم أنظر به حتی أراک

یعنی اپنے دل کو تیری محبت سے داغ دار کر کے مجھے کافی آرام محسوس ہو رہا ہے؛ کیوں کہ اب تیرے سوا کوئی دل میں نہیں اُتر سکتا۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا کہ میں اپنی آنکھ بند کر لیتا تو میں کسی کو نہ دیکھتا جب تک کہ تجھے نہ دیکھ لیتا۔

حضرت ابوبکر اور اِستحقاقِ خلافت: پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسجد میں کوئی دروازہ باقی نہ رہے بجز دروازۂ ابوبکر کے۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ ابوبکر کے دروازے کے علاوہ تمام کھلے ہوئے دروازوں کو بند کر دو۔ (۱)

اس فرمانِ رسالت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ آپ کے بعد منصب امامت حضرت ابوبکر سنبھالیں گے؛ کیوں کہ امام مسجد میں رہائش کا حق دار ہے اور اس میں اسے آنے جانے کی ہر وقت ضرورت پیش آتی ہے، بخلاف دوسروں کے۔ اور اسی میں مصلیوں کے لیے سہولت اور مصلحت بھی ہے۔ پھر آپ نے اپنی بات کو یہ فرما کر مزید موکد کر دیا کہ لوگوں کو ابوبکر نماز پڑھائیں۔ جب ابوبکر کو مصلے سے ہٹانے کی بات ہونے لگی تو آپ غضب ناک ہوئے اور

---

(۱) جامع الاصول: ۸/۵۸۶، ۵۸۷۔

فرمایا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔(۱)

چنانچہ نماز کی امامت ان کے سپرد کردی گئی اور ان کے دروازے کو مسجد کی جانب کھلا رکھا گیا، جب کہ دیگر لوگوں کے دروازے بند کردیے گئے۔ اس واقعے میں صریح اشارہ ہے کہ اس اُمت کا خلیفہ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہوگا؛ لہٰذا صحابۂ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت کہتے تھے کہ جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے دین کے بارے میں راضی ہوگئے تو ان سے ہم اپنی دنیا کے معاملے میں بھلا کیوں نہ راضی ہوں گے!

خلافت صدیقی اور حضرت علی کی تائید: پھر جب حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ تم میری بیعت فسخ کردو تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: 'نہ تو ہم آپ کی بیعت فسخ کریں گے اور نہ بیعت فسخ کرنا چاہیں گے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو آگے بڑھا گئے تو اب کس کی مجال کہ آپ کو پیچھے کرے؟'

جب نبوت کی بساط زمین سے تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے ساتھ لپیٹ دی گئی تو زمین پر درجۂ صدیقیت سے بڑھ کر کوئی کامل درجہ باقی نہ رہا، اور حضرت ابوبکر صدیق تو صدیقین کے سردار ہیں؛ لہٰذا آپ ہی خلیفۂ رسول ہونے اور آپ کے جانشین وقائم مقام ہونے کے زیادہ مستحق تھے!

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی سے ارشاد فرمایا تھا کہ ابوبکر کے لیے خلافت نامہ لکھ دیا جائے؛ تاکہ اُمت میں کوئی اختلاف واقع نہ ہو؛ لیکن انھوں نے اس سے اِعراض کیا؛ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ ان کے علاوہ بھلا اور کون خلیفہ ہوگا! پھر انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان سوائے ابوبکر کے اور کسی کی خلافت پر راضی نہ ہوں گے۔(۲)

حضرت علی کا مقصد شاید یہ رہا ہو کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر کو خاص طور پر خلافت کے لیے نامزد کردیتے ہیں تو شاید کوئی یہ سوچنے لگے کہ ہوسکتا ہے یہ ان کے احسانات کا بدلہ ہے۔ بس اس حکمت ومقصد کے پیش نظر حضرت علی نے خلافت نامہ لکھنے سے اِعراض کیا؛ کیوں کہ کسی بھی جگہ کی ولایت دینے میں عام مسلمانوں کی مصلحت کو پیش نگاہ رکھا جاتا ہے نہ کہ ولایت دینے والا محض اپنی مصلحت دیکھے۔

---

(۱) جامع الاصول: ۳/۵۹۳، ۵۹۴۔ (۲) جامع الاصول: ۴/۱۰۷، ۱۰۸، بحوالہ قطعۃ من حدیث صحیحین۔

ابتداے مرضِ وفات: سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوفات کی اِبتدا سر کے درد سے ہوئی۔ پچھلی سطروں میں گزرا کہ جب آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا تو آپ کے سرمبارک پر ایک کالی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ آپ کو درِ دِشقیقہ اور سر کی گرانی اپنی حیاتِ طیبہ میں اکثر پیش آتی تھی ، جس کی وجہ سے آپ کچھ دن درد محسوس کرتے تھے۔

سر کا درد خیر کی علامت ہے: سر کا درد اہل ایمان اور اہل جنت ہونے کی علامت ہے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوزخیوں کا وصف بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر فرمایا کہ وہ لوگ سر کے درد میں مبتلا نہیں ہوئے۔(۱)

ایک مرتبہ ایک دیہاتی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا: اے گاؤں والے! کیا تجھے سر میں درد ہوتا ہے؟ وہ کہنے لگا: سر کا درد کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: اِنسان کے سر میں کچھ رگیں ہوتی ہیں جن پر چوٹ پڑتی ہے تو سر کا درد ہوتا ہے۔

دیہاتی نے کہا: مجھے سر کا درد نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب وہ چلا گیا تو آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: 'جو شخص کسی دوزخی آدمی کو دیکھنا چاہے تو وہ اس دیہاتی کو دیکھ لے'۔(۲)

حضرت کعب اَحبار کہتے ہیں کہ میں نے توریت مقدس کے اندر یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ (اللہ فرماتا ہے) اگر میرے مومن بندوں کو یہ ملال نہ ہوتا تو میں کافر کے سر کو لوہے کی پٹی میں لپیٹ دیتا کہ کبھی بھی اس کے سر میں درد نہ ہوتا۔

حضرت عائشہ اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان ایک مکالمہ: مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس روز سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرضِ وفات کا آغاز ہوا اُس دن آپ میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کی: ہائے میرا سر درد سے پھٹا جارہا ہے! تو آپ نے فرمایا: میری خواہش تھی کہ یہ بات یعنی تمھاری وفات میری زندگی میں پیش آتی تو تمھارے لیے بہت اچھا ہوتا کہ میں تمھاری تکفین وتدفین خود کرتا۔ میں نے غیرت کے مارے عرض کی: ہاں! آپ تو چاہتے ہی یہی ہیں، تاکہ پھر اسی دن کسی اور بیوی کے ساتھ وظیفہ زوجیت کی اَدائیگی فرمائیں۔

آپ نے فرمایا: تمھیں نہیں بلکہ مجھے سر میں درد ہے۔ اس لیے جاؤ اپنے والد اور بھائی کو

---

(۱) مسند احمد بن حنبل:۵۰۸/۲۔ (۲) مسند احمد:۲۳۲/۲......مجمع الزوائد:۲۹۴/۲۔

بلا کر میرے پاس لاؤ تا کہ میں ابو بکر کے لیے خلافت نامہ لکھ دوں۔ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کوئی کہنے والا یا تمنا کرنے والا خلافت کی تمنا نہ کرنے لگے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان سوائے ابو بکر کے کسی اور کی خلافت پر راضی نہ ہوں گے۔(۱)

امام بخاری نے بھی اسی طرح کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہائے میرے سر کا درد! تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ بات یعنی تیری وفات میری حیات میں درپیش ہو تو میں تمھارے لیے استغفار کروں گا اور تیرے لیے دعا کروں گا۔

حضرت عائشہ نے عرض کی: ہائے افسوس! اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ کو میری وفات عزیز ہے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر آپ تو اسی دن کے آخر پر اپنی کسی زوجہ کے ساتھ وظیفہ زوجیت اَدا فرمائیں گے۔ یہ سن کر رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ درد میرے سر میں ہے، پھر بقیہ حدیث ذکر فرمائی۔(۲)

مسند احمد میں بھی اسی طرح کی روایت آئی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کبھی رسولِ گرامی وقار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے دروازے کے قریب سے گزرا کرتے تو مجھے کوئی اچھی بات یا کوئی نصیحت فرما دیا کرتے، جس سے مجھے کافی فائدہ پہنچتا تھا۔

ایک روز ایسا ہوا کہ آپ بالکل خاموشی سے گزر گئے، اور ایسا دو تین مرتبہ فرمایا تو میں نے اپنی کنیز سے کہا کہ دروازے کے پاس میرا بستر بچھا دو۔ پھر میں نے پیشانی پر پٹی باندھ لی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے گزرے تو میرا حال پوچھا: میں نے کہا: میرے سر میں تکلیف ہے تو آپ نے فرمایا: میرے بھی سر میں درد ہے۔

پھر آپ وہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر تشریف لے گئے، یہاں تک کہ آپ چادر اوڑھ کر تشریف لائے۔ اس کے بعد آپ نے بقیہ اَزواجِ مطہرات کی طرف پیغام بھیجا کہ مجھے کافی تکلیف ہے؛ لہٰذا میں تم سب کے پاس باری باری نہیں آسکوں گا؛ اگر ہو سکے تو سبھی مجھے اجازت دے دو، تا کہ میں اپنا وقت عائشہ کے پاس گزار سکوں۔(۳)

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۶/ ۱۴۴۔

(۲) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۵۶۶۶۔

(۳) مسند احمد بن حنبل: ۶/ ۲۱۹۔

ایک روایت میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت البقیع سے ایک جنازہ پڑھا کر واپس ہوئے تو فرمایا کہ مجھے اپنے سر میں کافی تکلیف محسوس ہورہی ہے۔ میں نے کہا کہ درد تو مجھے بھی ہے۔ فرمایا بلکہ مجھے سر میں درد ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: تیرا کیا نقصان تھا اگر تو مجھ سے پہلے وفات کرجاتی تو میں تمھارے غسل اور کفن کا اِنتظام کرتا، پھر تیرے اوپر نماز جنازہ پڑھ کر تمھیں دفن کرتا۔

میں نے عرض کی: گویا آپ مجھے یہ کہہ رہے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر معاملہ ایسا ہوجائے تو آپ میرے گھر تشریف لاکر اپنی کسی اور بیوی کے ساتھ قرابت فرمائیں گے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ پھر اسی درد کا آغاز ہوگیا جس میں آپ دنیا سے رخصت ہوئے۔(۱)

مرض میں بخار کی شدت: آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض وفات کا آغاز دردِ سر سے ہوا اور ظاہر ہے کہ بخار بھی ساتھ ساتھ تھا؛ کیوں کہ آپ کو اپنے مرض میں شدتِ بخار محسوس ہوئی تو آپ ایک لگن میں بیٹھ گئے اور اپنے اوپر مکمل بھرے ہوئے سات مشکیزوں کا پانی بہادیا، تاکہ کچھ ٹھنڈک محسوس ہو اور تپش بخار کم ہو۔ آپ نے ایک روئی دار کپڑا زیب تن کر رکھا تھا؛ لیکن بخار کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ اس پر ہاتھ رکھنے سے حرارت محسوس ہورہی تھی۔

جب آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ہم پر یوں ہی مصائب شدت کے ساتھ آتے ہیں اور ہمیں اَجر بھی دگنا دیا جاتا ہے۔ پھر فرمایا: مجھے اتنا بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو مردوں کو ہوتا ہے۔(۲)

حضور ﷺ دنیا سے شہید اُٹھے: درد کی شدت کی وجہ سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غشی طاری ہورہی تھی، پھر کچھ اِفاقہ ہوجاتا۔ جب ایسا کئی بار ہوا اور آپ پر غشی طاری ہوئی تو آس پاس دیکھ بھال کرنے والوں نے گمان کیا کہ یہ درد ذات الجنب کا ہے؛ لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لدود پلایا جائے۔ چنانچہ جب آپ کو لدود پلایا گیا تو آپ کو کچھ اِفاقہ محسوس ہوا؛ مگر آپ نے اس چیز کو ناپسند کیا اور حکم دیا کہ جس نے مجھے لدود پلایا ہے اس کو لدود پلایا

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۶/ ۲۲۸...... سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۴۶۵۔

(۲) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۵۶۴۸...... صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۵۷۱۔

جائے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ مجھ پر ذات الجنب مسلط نہیں فرمائے گا؛ لیکن یہ وہ کھانا ہے جس کو میں نے فتح خیبر کے موقع پر کھایا تھا۔

یعنی اُس بکری کے گوشت میں زہر ملا ہوا تھا جو مجھے دشمنی نکالنے کے لیے پکا کر دیا گیا تھا۔ وہ ایک یہودیہ تھی جو وہ بکری آپ کو بلا کر دعوت میں کھلانا چاہتی تھی؛ مگر آپ نے اس میں سے بس تھوڑا ہی لیا تھا، جس کی وجہ سے کبھی کبھی آپ کو تکلیف ہو جایا کرتی تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے مرضِ وفات میں فرمایا کہ خیبر کا کھانا ہمیشہ مجھ کو تکلیف دیتا رہا اور اب اس کی وجہ سے شہ رگ کے کٹنے کا وقت آ پہنچا ہے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس زہر کی وجہ سے شہادت حاصل ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو اتنے شدید درد کی حالت میں نہیں دیکھا۔ آپ کے پاس اس وقت سات دینار تھے، جن کو آپ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ پھر آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ کچھ افاقہ ہوا تو وہ دینار منگوا کر اپنی ہتھیلی پر رکھے اور فرمایا: محمد کا اپنے پروردگار سے کیا گمان ہے کہ اگر وہ اللہ سے ان سات دیناروں کے ساتھ ملاقات کرے۔ پھر آپ نے انھیں صدقہ کرا دیا۔

اس بات سے اندازہ لگائیں اس شخص کے حال کا جس کے ہاتھ مسلمانوں کے خون میں رنگے ہوئے ہوں، اور اس کے پاس حرام مال کے ڈھیر ہوں گے تو بھلا وہ کیسے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا، اور اس کو اپنے رب سے کیا گمان ہوگا! جب کہ سرکارِ ابد قرار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ حال تھا کہ آپ کے پاس مرضِ وفات میں چراغ کے لیے اِتنا بھی تیل نہ تھا جس سے چراغ روشن کیا جائے۔

دوشنبہ کی شب جب درد کی شدت بڑھ گئی تو حضرت عائشہ نے سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک زوجہ کے پاس چراغ بھیجتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے چراغ میں اپنے گھی کی تھیلی میں سے تھوڑا سا ٹپکا دو کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وفات کے آثار نظر آ رہے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک موٹی یمنی چادر تھی اور ایک پیوند لگا کپڑا تھا، قسم کھا کر

---

(۱) سنن دارمی: ۱/۳۳...... جامع صغیر سیوطی، رقم الحدیث: ۷۹۱۵۔

فرماتی تھیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی دونوں کپڑوں میں اس دنیا سے اُٹھائے گئے۔

لختِ جگر سے ایک راز کی بات: ایامِ مرض میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائیں تو آپ نے ان سے چپکے سے ایک بات کہی، جس سے وہ رونے لگیں، پھر دوبارہ ان سے سرگوشی کرتے ہوئے ایک اور بات کہی تو وہ ہنسنے لگیں۔ جب ان سے اس تعلق سے پوچھا گیا تو کہنے لگیں: میں تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز اِفشا نہیں کروں گی۔

پھر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد جب آپ سے اس راز کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر دی تھی کہ اس مرض میں میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا، تو یہ سن کر میں رونے لگی۔ پھر فوراً ہی آپ نے یہ خبر دی کہ گھر والوں میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی، نیز یہ کہ جنت میں دنیا کی عورتوں کی تمھیں سرداری ملے گی۔ تو میں ہنسنے لگی۔ (۱)

جانکنی کی سختیاں: جب مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حالت نزع طاری ہوئی تو معاملہ مزید شدت اختیار کر گیا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ مجھے کسی کے آسان طریقے سے مرنے پر کبھی رشک نہیں آیا جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت درد اور تکلیف کی شدت دیکھ لی تو فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا، اپنے ہاتھ کو وہ اس میں ڈبوتے اور پھر چہرے پر پھیر لیتے، ساتھ ہی فرماتے:

اللّٰهم أعني علىٰ سكرات الموت ، لا إلٰه الا اللّٰه إن للموت لسكرات .

یعنی اے اللہ! سکراتِ موت پر میری مدد فرما۔ اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، بلاشبہہ موت کے وقت بڑی سختی ہوتی ہے۔

ایک حدیث مرسل میں ایک دعا یوں بھی ملتی ہے:

اللّٰهم إنک تأخذ الروح من بين العصب و القصب و الأنامل، اللّٰهم فأعني على الموت وهونه علي .

یعنی اے پروردگار! تو ہی روح کو پٹھوں اور دست و پا کی ہڈیوں اور جوڑوں کے درمیان سے

---

(۱) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۶۲۸۵ ...... صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۴۵۰ ...... سنن ابن ماجہ، رقم: ۱۶۲۱۔

نکالتا ہے۔ مولا! موت کے وقت میری مدد فرما اور موت کو مجھ پر آسان کر۔

پھر جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت بوجھل ہونے لگے اور آپ پر جانکنی کی آخری کیفیات طاری ہونے لگیں تو حضرت فاطمہ سے یہ منظر دیکھا نہ گیا اور کہنے لگیں: ہائے میرے والد کی تکلیف! لیکن جب سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنا تو ان سے فرمایا: بیٹی! آج کے بعد تیرے والد پر کوئی تکلیف نہ آئے گی۔(۱)

سنن ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا: تیرے والد کو وہ بات پیش آئی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کسی سے ترک نہیں کیا۔ اور قیامت کا دن دراصل حق ملنے کا دن ہے۔(۲)

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب تک دنیا وآخرت کے بارے میں دوبارہ اِختیار نہیں دے دیا گیا اُس وقت تک آپ کی روح نہیں قبض کی گئی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ 'کسی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی گئی جب تک کہ اس نبی کو جنت میں اُن کا ٹھکانہ' نہ دکھا دیا جائے، پھر نبی کو اِختیار دیا جاتا ہے۔

زبانِ اقدس سے نکلنے والا آخری کلمہ: پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کا وقت قریب آیا تو (حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ) آپ کا سر مبارک میری ران پر تھا، تھوڑی دیر آپ بے ہوش رہے، پھر اس سے اِفاقہ ہوا تو اپنی نظروں کو گھر کی چھت پر جماتے ہوئے فرمایا: **اللّٰهم الرفيق الاعلىٰ.**

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے فوراً سمجھ لیا کہ اب آپ ہم کو اختیار نہیں فرمائیں گے، اور میں نے اس وقت جان لیا کہ یہ دراصل وہی بات ہے جو آپ فرمایا کرتے تھے۔ یہ حدیث صحیح ہے، یہی آخری کلمہ تھا جو آپ کی زبانِ اقدس سے نکلا۔(۳)

جب کہ ایک دوسری روایت میں آپ کا آخری کلام یہ ذکر کیا گیا ہے:

اللّٰهم اغفرلي وارحمني وألحقني بالرفيق الاعلىٰ.

---

(۱) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۴۴۶۲...... سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۶۲۹۔

(۲) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۶۲۹۔ (۳) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۴۴۳۷...... صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۴۴۴۔

یعنی اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم وکرم کر اور مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملادے۔(۱)

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آپ پر تکلیف کی شدت بڑھ گئی تو زبانِ رسالت سے یہ آیت سنی گئی :

مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيْقاً . (سورۂ نساء:۶۹/۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سمجھ گئی کہ آپ کو اس وقت اختیار دیا گیا ہے۔

یہ تمام روایات بخاری وغیرہ سے لی گئی ہیں۔

مذکورہ روایتیں اس بات پر دلالت کررہی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح قبض کر کے جنت میں آپ کا ٹھکانہ دکھایا گیا، پھر آپ کی روح واپس جسم میں لوٹائی گئی، پھر دنیا وآخرت کے بارے میں اختیار دیا گیا۔

چنانچہ مسند احمد میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا مگر یہ کہ اس کی روح قبض کی جاتی ہے، پھر اسے اجروثواب دکھایا جاتا ہے، پھر روح دوبارہ لوٹا کر دنیا وآخرت کے مابین اختیار دیا جاتا ہے۔

میں نے یہ بات ذہن نشیں کر رکھی تھی۔ چنانچہ آپ کا سہارا میرے سینے پر تھا، میں نے دیکھا کہ آپ کی گردن ایک طرف مائل ہوگئی ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ شاید وقت آگیا، پھر میرے سامنے وہی بات آئی جو میرے ذہن نشیں تھی۔ تو میں نے دیکھا کہ آپ کی گردن اوپر اٹھ گئی اور آپ دیکھنے لگے، میں نے کہا اَب تو خدا کی قسم وہ ہم کو اختیار نہیں کریں گے اور اس آخری وقت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع الرفيق الأعلیٰ في الجنة اور یہ آیت تلاوت فرمارہے تھے :

مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيْقاً . (سورۂ نساء:۶۹/۴)۔(۲)

صحیح ابن حبان میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غشی طاری ہوئی اور آپ کا سراقدس میری گود میں تھا۔ میں آپ کے سرانور پر ہاتھ پھیر رہی تھی

(۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث:۲۴۴۴...... مسند احمد بن حنبل:۲۳۱/۶۔ (۲) مسند احمد بن حنبل:۷/۶۔

اور اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے دعاے شفا مانگ رہی تھی۔ پھر آپ کو کچھ اِفاقہ ہوا تو فرمانے لگے:

لا بل أسأل اللہ رفیق الأعلیٰ مع جبریل ومیکائیل وإسرافیل .

صحیح ابن حبان کے علاوہ مسند احمد میں بھی ہے کہ حضرت عائشہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض وفات میں پڑھ پڑھ کر آپ کو دَم کررہی تھیں تو آپ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کو اونچا کر کہ یہ مجھ کو اس حالت میں فائدہ پہنچاتے ہیں۔(۱)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ جب کبھی انبیا موت کو ناپسند کریں تو اللہ تعالیٰ اپنی ملاقات کے لیے ان پر موت کو آسان کردیا کرتا ہے، اور ہر وہ چیز ان کو عطا فرماتا ہے جو وہ پسند کرتے ہیں۔ مثلاً کوئی تحفہ یا کوئی بزرگی، یہاں تک کہ ان کی جان ایک جانب سے نکلنا شروع ہوجاتی ہے اور وہ اس بات کو پسند کررہے ہوتے ہیں جس چیز کی ان کو مثال دی جارہی ہو۔

چنانچہ مسند احمد بن حنبل میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے عائشہ کی ہتھیلی کی سفیدی جنت میں دیکھی تو مجھ پر موت آسان ہوگئی۔(۲)

حضرت ابن سعد نے مرسلاً روایت کی ہے کہ حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے عائشہ کو جنت میں دیکھا جس کی وجہ سے مجھ پر موت آسان ہوگئی گویا کہ میں عائشہ کی ہتھیلی دیکھ رہا ہوں۔(۳)

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہ سے بے پناہ محبت تھی، یہاں تک کہ آپ ان کے بغیر بے قرار ہوجاتے تھے؛ لہٰذا آپ کے سامنے مناظر جنت کو دکھاتے ہوئے حضرت عائشہ کو دکھایا گیا تاکہ آپ پر موت آسان ہوجائے؛ کیوں کہ زندگی کا مزہ اسی وقت ہوتا ہے جب اپنے پیارے اپنے ساتھ ہوں۔

ایک شخص نے ایک روز بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ لوگوں میں آپ کو سب سے زیادہ

---

(۱) صحیح ابن حبان: ۲۶۹/۴...... مسند احمد بن حنبل: ۲۶۱/۶۔

(۲) مسند احمد بن حنبل: ۱۳۸/۶۔ (۳) طبقاتِ ابن سعد: ۶۵/۸-۶۶۔

کون محبوب ہے؟۔آپ نے فرمایا: عائشہ۔اس شخص نے کہا کہ یارسول اللہ! میری مراد مردوں میں سے تھی،تو آپ نے فرمایا: اس کا والد(ابوبکر صدیق)۔(۱)

اسی وجہ سے مرض الوفات کی اِبتدا میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دردسر کی شکایت کی تھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ تیرا مرنا میری زندگی میں ہوتا کہ میں تجھ پر نماز پڑھوں اور تجھے اپنے ہاتھوں سے دفناؤں۔مگر یہ بات حضرت عائشہ کو گراں گزری تھی؛ کیوں کہ انھوں نے سوچا کہ شاید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری جدائی چاہتے ہیں جب کہ آپ کی خواہش یہ تھی کہ عائشہ مجھ سے پہلے دنیا سے جائے تاکہ (آخرت میں) دونوں کی ملاقات جلد ہوجائے۔

مسواک کی بے پایاں اَہمیت: حضرت عائشہ نے ایک مسواک لی،اسے چبا کر نرم کیا جس میں اُن کا لعاب بھی شامل ہوگیا،پھر انھوں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عنایت فرمایا تو آپ نے اطمینان کے ساتھ مسواک فرمایا،اور اسے اپنے دہن مبارک میں گھمانے لگے،اسی دوران آپ کے ہاتھ میں کمزوری محسوس ہوئی اور وہ مسواک چھوٹ کر گرگئی۔حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ دنیا کے آخری دن اور آخرت کے پہلے دن اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب کو تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب کے ساتھ جمع فرمادیا۔صحیحین میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے۔(۲)

حافظ عقیلی (م۳۲۲ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرضِ وصال میں حضرت عائشہ سے فرمایا: میرے لیے ایک تَر مسواک لے آؤ،اور اسے چبا کر مجھے دو کہ میں اسے چباؤں،تاکہ میرا لعاب تمھارے لعاب کے ساتھ مل جائے اور اس کے ذریعہ مجھ پر موت آسان ہوجائے۔

ملک الموت کی اِجازت طلبی: حضرت جعفر بن محمد (م۱۴۸ھ) اپنے والد ماجد (امام محمد الباقر) سے روایت کرتے ہیں کہ جب سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرماجانے میں تین دن باقی رہ گیا تو حضرت جبرئیل آکر عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! اللہ

(۱) سنن ترمذی، رقم الحدیث:۳۸۹۰۔ (۲) صحیح بخاری، رقم الحدیث:۴۴۵۰۔

تعالیٰ نے مجھے آپ کی عزت وتکریم اور قدرومنزلت کے لیے خصوصی طور پر بھیجا ہے، اور آپ سے وہ چیز پوچھ رہا ہے جس کے بارے میں وہ آپ کی نسبت خود زیادہ جانتا ہے کہ آپ اس وقت اپنے آپ کو کس حال میں پاتے ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے جبرئیل! میں اپنے آپ کو غمگین اور مبتلائے کرب پاتا ہوں۔

حضرت جبرئیل پھر دوسرے دن تشریف لائے اور وہی بات دریافت کی۔ پھر تیسرے دن آئے اور یہی بات پوچھی۔تو اسی روز ملک الموت نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت جبرئیل نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ ملک الموت ہیں جو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا اِذن مانگ رہے ہیں۔انھوں نے آپ سے پہلے کبھی کسی آدمی سے اجازت طلب نہیں کی اور نہ آپ کے بعد یہ کبھی کسی آدمی سے اجازت مانگیں گے۔

آپ نے فرمایا: ان کو اندر آنے کی اجازت دے دو۔ چنانچہ ملک الموت اندر داخل ہوئے اور آپ کے سامنے کھڑے ہوکر فرمانے لگے: یارسول اللہ! بیشک اللہ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں ہر معاملے میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں۔ اگر آپ مجھے اپنی روح قبض کرنے کا حکم عطا کریں تو کرلیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اے ملک الموت! کیا تم تعمیل حکم کروگے؟ ملک الموت نے عرض کی: مجھے اسی بات کا حکم ہے کہ میں ہر معاملے میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں۔

اس وقت حضرت جبرئیل نے فرمایا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ سے ملنے کا مشتاق ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ملک الموت! جس چیز کا تمھیں حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کرو۔ حضرت جبرئیل نے عرض کی: **السلام علیک یارسول اللہ**۔

یہ میرا دنیا میں آخری بار آنا ہے۔ بس آپ ہی کی وجہ سے مجھے دنیا میں آنے کی ضرورت رہا کرتی تھی۔ پھر انھوں نے تعزیت کے کچھ کلمات اس انداز سے پڑھے کہ گھر والے سن رہے تھے اور محسوس کررہے تھے؛ مگر کوئی شخص نظر نہیں آرہا تھا:

السّلامُ علیکم یا أَهْلَ البیتِ ورحمةُ اللّٰه وبرَکاته، کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ

وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنَّ فِي اللّٰهِ عِزَاءً مِنْ كُلِّ مُصِيبَةٍ وَخَلَفًا مِنْ كُلِّ هَالِكٍ وَدَرَكًا مِنْ كُلِّ فَائِتٍ فَبِاللّٰهِ فَثِقُوا وَإِيَّاهُ فَارْجُوا إِنَّمَا الْمُصَابُ مَنْ حُرِمَ الثَّوَابَ وَالسَّلَامُ عليكم ورحمة اللّٰه وبركاته .

اے خانۂ نبوت کے مکینو! اللہ کی رحمت وبرکت وسلامتی کا تم پر نزول ہو۔ ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تمھیں قیامت کے دن تمھارا پورا پورا اَجر ضرور ملے گا۔ بے شک اللہ کے پاس ہر مصیبت کا بدلہ ہے اور ہر ہلاک ہونے والی چیز کا نعم البدل، نیز ہر فوت ہونے والی چیز کا اَجر وصلہ ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو، اور اسی سے امید رکھو۔ اصل مصیبت کا مارا وہ ہے جو اَجر وثواب سے محروم کر دیا گیا۔

ربیع الاوّل بروز دوشنبہ یوم وفاتُ النبی: تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بروز دوشنبہ ماہ ربیع الاول میں دنیا سے تشریف لے گئے۔ اس پر سبھی کا اتفاق ہے۔ اسی دن بوقت فجر آپ نے پردہ ہٹا کر لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا جن کی امامت حضرت ابوبکر صدیق فرما رہے تھے۔ قریب تھا کہ اہل ایمان آپ کو دیکھ کر فرطِ مسرت سے کسی آزمائش میں پڑ جاتے (یعنی نماز توڑ بیٹھتے) چنانچہ لوگوں نے جب آپ کے چہرۂ انور کی طرف نظر کی تو وہ ورقِ مصحف کی مانند چمک رہا تھا۔ لوگوں نے گمان کیا کہ اب حضور نماز کے لیے تشریف لائیں گے؛ لیکن آپ نے ان کو اشارے سے فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ نماز اَدا کرتے رہیں۔ پھر آپ نے پردہ ڈال دیا اور اسی دن آپ کا وصال ہو گیا۔

جب کہ مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ صبح کی نماز کے وقت آپ کو مرض سے اِفاقہ ہو گیا ہے اور آپ پورے طور پر صحت یاب ہو چکے ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ سے باہر محلّہ سُنح میں واقع اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اور ادھر بوقت چاشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحِ مبارک قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ زوال کے بعد وصال ہوا ہے؛ مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے کہ آپ کی وفات اسی وقت ہوئی جب چاشت کے وقت میں تیزی آ چکی تھی اور یہ وہی وقت ہے کہ جس وقت آپ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔

یومِ وصال کے تعلق سے اہل علم کی مختلف آرا ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ یکم ربیع الاوّل کو آپ نے پردہ فرمایا۔ بعض کا قول ہے کہ دوئم ربیع الاول کو۔ بعض نے تیرہ، اور بعض نے پندرہ کا بھی قول کیا ہے؛ مگر مشہور عندالناس یہی ہے کہ آپ کا وصال بارہ ربیع الاوّل کو ہوا۔

لیکن مذکورہ قول کی سہیلی وغیرہ نے تردید کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جس دن سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدانِ عرفات میں خطبہ دیا تھا اور حج اَدا فرمایا تو وہ ہجرت کا دسواں سال اور جمعہ کا دن تھا۔ تو اس حساب سے یکم ذی الحجہ جمعرات کو بنتی ہے، پھر اگر آگے حساب کیا جائے تو کسی صورت بھی دوشنبہ کا دن بارہ ربیع الاوّل کو نہیں پڑتا، چاہے درمیانی مہینے یعنی ذی الحجہ، محرم اور صفر تیس کے مانیں جائیں، یا انتیس کے۔ اور چاہے بعض مہینے تیس کے اور بعض انتیس کے۔

تاہم ان کی اس بات کا ابن اسحٰق نے بڑی خوبصورتی سے جواب دیتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال بارہ ربیع الاوّل ہی کو ہوا۔ اور یہ اس لیے ممکن ہے کہ اہل عرب تاریخ کا حساب دن کی بجائے رات سے لگاتے ہیں۔ گزرے ہوئے دن کی رات کا حساب نہیں لگاتے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک دن' رات کا تابع ہوتا ہے اور رات گزرنے کے بعد دن کا آغاز ہوتا ہے؛ لہٰذا جس رات کا دن مکمل طور پر پورا نہ ہو جائے اس کی رات کو شمار نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ جب گنتی میں راتوں کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں راتوں کے ساتھ ساتھ دن بھی شامل رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب وہ کہتے ہیں: 'دس راتیں' تو مراد دس راتیں ان کے دن سمیت ہوتی ہیں۔

چند فقہی مسائل: اس تشریح سے جمہور کے قول کا صحیح ہونا ثابت ہو گیا جو فرماتے ہیں کہ شوہر کے مرنے پر اس کی بیوی کی عدت چار ماہ اور دس راتیں بمع ان کے دنوں کے ہے اور (دسواں دن) یعنی آخری دن مکمل عدت کے اندر شامل ہے۔ تاہم امام اوزاعی اس کے خلاف گئے ہیں۔ یوں ہی حج کے مہینوں کی بابت جمہور فرماتے ہیں کہ وہ شوال، ذی القعد اور عشرۂ ذی الحجہ ہے، اس معنی کے لحاظ سے یوم النحّر (قربانی کا دن) عشرۂ ذوالحجہ میں شامل ہے۔ لیکن امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ جس روز تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال پر ملال ہوا وہ درحقیقت ربیع الاول کی تیرہ تاریخ تھی؛ لیکن مذکورہ تشریح کے مطابق جب تیرہویں تاریخ کا دن مکمل ہی نہ ہوا تو اس کی رات کو بھی تاریخ میں شمار نہ کیا، شمار میں صرف اتوار کی رات مع اس کے دن کے آئی کہ وہی بارہویں تاریخ تھی۔ اسی وجہ سے حضرت ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ ربیع الاول کی بارہ راتیں گزرنے کے بعد سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وقت تدفین میں اہل علم کی مختلف آرا: مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن کے وقت میں بھی اہل علم کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اسی ساعت میں دفن فرمادیے گئے؛ لیکن یہ قول بعید از حقیقت ہے۔ بعض نے کہا کہ منگل کی شب میں تدفین عمل میں آئی اور بعض کے بقول منگل کے دن میں دفن ہوئے جب کہ بعض نے بدھ کی شب میں دفن ہونے کا قول کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رحلت مصطفیٰ سے صحابہ میں اِضطراب کی ناقابل بیان لہر: سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرماجانے کے بعد مسلمانوں کے درمیان ایک اضطراب وبے چینی پھیل گئی۔ بعض صحابہ مدہوش اور مخبوط الحواس ہوگئے۔ بعض شدتِ غم سے ایسے بیٹھے کہ ان میں اٹھنے کی سکت نہ رہی۔ بعض کی زبانیں گنگ ہوگئیں، کچھ کو بولنے کا یارا' نہ رہا۔ جب کہ بعضوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کا کلیتاً انکار کردیا اور کہنے لگے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے تھے، یوں ہی سرکار اقدس علیہ السلام بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی غرض سے تشریف لے گئے ہیں۔ ایسا کہنے والوں میں حضرت عمر فاروق بھی تھے۔

جب اس بات کی خبر حضرت ابوبکر صدیق کو پہنچی تو آپ دوڑے دوڑے تشریف لائے اور حضرت عائشہ کے حجرے میں داخل ہوگئے۔ اس وقت تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ اقدس کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ آپ نے آکر روئے انور سے پردہ ہٹایا، کئی دفعہ چہرۂ مبارک پر بوسہ دیا اور روتے ہوئے کہنے لگے :

وا نبياه ! وا خليلاه ! وا صفياه .

یعنی اے پیارے نبی، اے پیارے خلیل اور اے پیارے برگزیدہ (پیغمبر)۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا :

انا للّٰه وانا إليه راجعون . مات والله رسول الله ، وقال والله! لا يجمع الله عليك موتتين، أما الموتة التي كتبت عليك فقد متها .

یعنی ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔ قسم بخدا! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہ فرمائے گا، یعنی جو موت آپ کے لیے لکھی تھی وہ موت آپ کو آ چکی۔

پھر آپ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے جہاں حضرت عمر لوگوں سے کلام کر رہے تھے اور لوگ ان کے اِرد گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر نے وہاں پہنچ کر اپنے کلام کا آغاز کلمہ شہادت اور اللہ رب العزت کی حمد سے کیا تو لوگ حضرت عمر کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پھر آپ نے لوگوں کے سامنے ایک (مختصر تاریخی) خطبہ ارشاد فرمایا :

من كان يعبد محمداً فإن محمداً قد مات ، ومن كان يعبد الله ، فإن الله حي لا يموت ، وتلا: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أ فَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰىٓ اَعْقَابِكُمْ .

یعنی جو شخص محمد کی عبادت کرتا تھا تو وہ سن لے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کو پیارے ہو گئے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر آپ نے سورۂ آل عمران کی ایک آیت تلاوت کی: 'اور محمد (بھی تو) رسول ہی ہیں (نہ کہ خدا) آپ سے پہلے بھی کئی پیغمبر (مصائب اور تکلیفیں جھیلتے ہوئے اس دنیا سے) گزر چکے ہیں، پھر اگر وہ وفات فرما جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم اپنے (پچھلے مذہب کی طرف) اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔'

حضرت ابوبکر کی باتیں سن کر تمام لوگوں کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کا یقین ہو گیا، گویا کہ حضرت ابوبکر کے تلاوت کرنے سے پہلے انھوں نے یہ آیت کریمہ سنی ہی نہ تھی۔ اس کے بعد لوگ ایک دوسرے کو یہی آیت تلقین کرتے رہے۔ جو کوئی کسی سے ملتا یہی

آیت تلاوت کردیتا۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد حضرت فاطمہ کی کیفیت دیگرگوں تھی، وہ بےقراری کے عالم میں کہہ رہی تھیں :

يـا أبتـاه ! أجـاب ربا دعاه . يا أبتاه! جنة الفردوس مأواه . يا أبتاه ! إلى جبريل أنعاه . يا أبتاه ! من ربه ما أدناه .

یعنی اے باباجان! آپ نے اپنے رب کی پکار پر لبیک کہہ دیا۔اے والد گرامی! جنت الفردوس آپ کی آرام گاہ بنا۔اے پیارے ابا! جبرئیل آپ کی تعزیت کریں۔اے ابا جان! آپ اپنے رب سے کتنا قریب ہوگئے!

شفیق والد کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ بس چھ ماہ بقید حیات رہیں۔اس دوران کبھی ان کے چہرے پر ہنسی نہ دیکھی گئی، اور یہی انھیں زیبا تھا۔

علیٰ مثل ليلي يقتل المرء نفسه

وإن كان من ليلي علىٰ الهجز طاويا

یعنی جو کچھ مجھ پر سانحہ بیت گیا یہ ایسا تھا کہ کسی اور پر گزرتا تو وہ خود کو اپنے ہاتھوں ہلاک کرڈالتا، گرچہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جو جدائی اور فراق پر صبر واِستقلال کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

گویا اس بڑی مصیبت کے سامنے ساری مصیبتیں چھوٹی اور ہیچ ہیں۔سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرضِ وفات میں فرمایا: ’اے لوگو! لوگوں میں سے کسی کو یا اہل ایمان میں سے کسی کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ میری اس مصیبتِ وفات کو یاد کرلے اس مصیبت کے مقابلے میں جو اسے میری وفات کے علاوہ پہنچی ہے؛ کیوں کہ میری اُمت میں سے کسی کو میری وفات کی مصیبت سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی‘!(۱)

حضرت ابوالجوزا بصری تابعی (م۸۳ھ) فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک آدمی رہتا تھا، جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی تو اس کا بھائی آکر اس سے مصافحہ کرتا اور کہتا: اے اللہ کے

---

(۱) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث:۱۵۹۹۔

بندے! اللہ پر بھروسہ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ کسی شاعر نے بڑی عمدہ بات کہی ہے ۔

اصبر لکل مصیبة وتجلد　　　واعلم بأن المرء غير مخلد
واصبر كما صبر الكرام فإنها　　　نوب تنوب اليوم تكشف في غد
وإذا أتتک مصيبة تشجی بها　　　فاذكر مصابک بالنبی محمد

یعنی ہر مصیبت کے وقت صبر واستقلال سے کام لے اور ذہن نشیں کر لے کہ کسی انسان کو ہمیشہ نہیں رہنا۔ اور صبر وضبط کو اپنا شعار بنا جیسا کہ نیک لوگوں نے صبر کیا؛ کیوں کہ آج کی مصیبت جیسی بھی ہے وہ کل ختم ہو جائے گی۔ جب کوئی ایسی مصیبت پیش آئے جو تجھے غمگین کر دے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصیبت (وصال) کو یاد کر لیا کر۔

ایک دوسرا شاعر اس مفہوم کو شعر کا جامہ یوں پہناتا ہے ۔

تذكرت لما فرق الدهر بيننا　　　فعزيت نفسی بالنبی محمد
وقلت لها إن المنايا سبيلنا　　　فمن لم يمت في يومه مات في غد

یعنی جب زمانہ ہمارے درمیان جدائی کی خلیج پیدا کرتا ہے تو میں اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات یاد کرا کر تسلی دے دیا کرتا ہوں۔ میں اپنے نفس سے کہتا ہوں کہ موت ہی ہمارا راستہ ہے؛ لہٰذا اگر کوئی آج نہیں مرا تو وہ کل ضرور مر کر رہے گا۔

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کا کرب کتنا عظیم تھا کہ انسان تو انسان جمادات بھی آپ کا فراق برداشت نہ کر سکے اور پھٹ گئے، تو پھر اہل ایمان کے دلوں کا کیا حال ہوا ہوگا!

جب اس کھجور کے تنے نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سے جدا ہوتے ہوئے دیکھا، یہ وہی کھجور کا تنا تھا جس پر نبی محترم علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر کے بننے سے پہلے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے، تو وہ رونے لگا اور اس قدر زور زور سے کہ جیسے کوئی بچہ روتا ہے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور اسے گلے سے لگایا تب اس کی آواز مدھم ہوتی چلی گئی۔ جس طرح کہ جب کسی بچے کو چپ کرایا جاتا ہے تو اس کا رونا آہستہ آہستہ کم ہوتا جاتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس کو چپ نہ کراتا تو یہ قیامت تک یوں

ہی روتا رہتا۔

جب حضرت حسن بصری اس حدیث کو بیان کرتے تو رو پڑتے اور فرماتے کہ وہ لکڑی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کا صدمہ نہ برداشت کر سکی اور رونے لگی، تو تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشتاق ہونے میں زیادہ حق دار ہو!

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد تدفین سے قبل اذان دی، جب **اشھد ان محمدًا رسول اللّٰہ** کہا تو مسجد میں ایک کہرام مچ گیا۔ پھر حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفنانے کے بعد حضرت بلال نے اذان کہنا ہی چھوڑ دیا۔

کہتے ہیں کہ جس کے دوست بچھڑ جائیں اس کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ خصوصاً وہ شخص جس کے دیکھنے پر ہی زندگی موقوف ہو۔ شاعر نے کیا خوب ترجمانی کی ہے ؎

لو ذاق طعم الفراق رضوی　　لکاد من وجدہ یمید
قد حملونی عذاب شوق　　یعجز عن حملہ الحدید

یعنی اگر رضویٰ پہاڑ جدائی کا ذائقہ چکھ لے تو فوراً ہل جائے۔ انھوں نے مجھ پر شوق کا عذاب ڈال دیا جس کو اٹھانے سے لوہا بھی عاجز ہے۔

جب مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کر دیا گیا تو حضرت فاطمہ نے فرمایا: تمھارے دلوں نے کیسے اس بات کو گوارا کر لیا کہ تم اللہ کے رسول (کی تربت اطہر) پر مٹی ڈال آؤ۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے اس دن آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے ہر شے روشن ہو گئی تھی، اور جس دن آپ کی تدفین عمل میں آئی اس دن ہر شے پر اندھیرا چھا گیا تھا۔ اور ہم نے سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کر کے ہاتھوں سے مٹی بھی نہ جھاڑی تھی کہ ہم نے اپنے دلوں کو بدلا ہوا پایا۔ ایک شاعر بارگاہِ رسول میں خراجِ عقیدت پیش کر رہا ہے ؎

لِیُبْکِ رسولَ اللّٰہ من کان باکیا　　فلا تنس قبرا بالمدینۃ ثاویا
جزی اللّٰہ عنا کل خیر محمدا　　فقد کان مھدیا وقد کان ھادیا
وکان رسول اللّٰہ روحا ورحمۃ　　ونورا وبرھانا من اللہ بادیا

وکان رسول اللّٰہ بالخیر آمرا — وکان عن الفحشاء والسوء ناھیا
وکان رسول اللّٰہ بالقسط قائما — وکان لما استرعاہ مولاہ راعیا
وکان رسول اللّٰہ یدعو إلی الھدی — فلبی رسول اللّٰہ لبیہ داعیا
أینسی أبر الناس بالناس کلھم — وأکرمھم بیتا وشعبا و وادیا
أینسی رسول اللّٰہ أکرم من مشی — وآثارہ بالمسجدین کما ھیا
تکدر من بعد النبی محمد — علیہ سلام اللّٰہ ما کان صافیا
رکنا إلی الدنیا الدنیة بعدہ — وکشفت الأطماع منا مساویا
وکم من منار کان أوضحہ لنا — ومن علم أمسی وأصبح عافیا
إذا المرء لم یلبس ثیابا من التقی — تقلب عریانا وإن کان کاسیا
و خیر خصال المرء طاعة ربہ — ولا خیر فیمن کان للّٰہ عاصیا

یعنی رونے والے کو چاہیے کہ وہ رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی جدائی) پر روئے، اور مدینہ میں آپ کی قبرانور کو کبھی فراموش نہ کرے، جہاں آپ موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اپنے پیارے رسول کو پوری پوری جزا عطا کرے کہ وہ ہادی بھی ہیں اور مہدی بھی۔ رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باعث رحمت وعظمت تھے اور اللہ کی طرف سے کھلا ہوا نور اور برہان۔ رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیر کا حکم فرمانے والے، بے حیائیوں اور برائیوں سے روکنے والے، انصاف کو قائم کرنے والے اور جو کوئی حفاظت چاہتا تو اس کی نگہبانی کرنے والے تھے۔ وہی ہدایت کی طرف بلانے والے اور پکارنے والے کی پکار کا جواب دینے والے تھے۔ کیا لوگوں میں سب سے نیک انسان کو بھلایا جاسکتا ہے جو گھر، گھاٹی اور وادی کے لحاظ سے سب سے زیادہ معزز ومکرم ہیں۔ کیا رسول اللہ کو بھلایا جاسکتا ہے جو چلنے والوں میں سب سے زیادہ باوقار ہیں، جن کی نشانیاں دونوں مسجدوں (حرموں) میں جوں کی توں قائم ہیں۔ ہر وہ چیز جو روشن تھی محمد مصطفیٰ کے وصال کے بعد دھندلی پڑ گئی۔ آپ کے وصال کے بعد ہم گھٹیا دنیا کی طرف مائل ہو گئے اور ہمارے اندر کا لالچ کھل کر باہر آگیا۔ کتنے ہی مینار ہمارے لیے وہ روشن کر گئے اور علامتیں ہیں جن کا صبح شام درس دینے والے تھے۔ جب آدمی تقویٰ کا لباس نہ پہنے تو وہ برہنہ ہی پھرے گا، اگرچہ لباس پہنے ہوئے ہو۔ آدمی کی بہترین خصلت اپنے پروردگار کی فرماں برداری ہے اور اس آدمی میں کوئی خیر نہیں جو اللہ کا نافرمان ہو۔

☆☆☆

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

از:اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

شہرِ یارِ اِرم تاجدارِ حرم
نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

شب اسریٰ کے دولھا پہ دائم درود
نوشہِ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اُس جبینِ سَعادت پہ لاکھوں سلام

جن کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اُٹھ گئی دَم میں دَم آ گیا
اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں
اُن لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

جسکی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اُس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

ہاتھ جس سمت اُٹھا غنی کردیا
موجِ بحر سماحت پہ لاکھوں سلام

نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں
اُنگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

کُل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا
اُس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اُس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا
اُس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

غوثِ اعظم امامُ التقیٰ والنقیٰ
جلوۂ شانِ قدرت پہ لاکھوں سلام

نورِ جاں عِطر مجموعہ آلِ رسول
میرے آقائے نعمت پہ لاکھوں سلام

ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری اُمت پہ لاکھوں سلام

کاش محشر میں جب اُن کی آمد ہو اور
بھیجیں سب اُنکی شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ
مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

سرپرست علامہ قمرالزماں خان اعظمی، علامہ محمد ارشد مصباحی (اعلیٰ حضرت فاؤنڈیشن انٹرنیشنل یوکے)

اشاعتِ دین کا ہمہ جہت منصوبہ

اعلیٰ حضرت ریسرچ سینٹر

Aa'la Hazrat Research Center

پلاٹ نمبر 38، سروے نمبر 25، اعلیٰ حضرت روڈ، نور باغ، مالیگاؤں





- اشاعتی وعلمی خدمات
- تربیتی کورسیس
- لائبریری واسٹڈی سینٹر
- درس گاہ
- ترسیل کتب علمیہ
- فلاحی وطبّی خدمات

تکمیل کیلئے مالی تعاون کی گزارش ہے۔

اعلیٰ حضرت ریسرچ سینٹر

پلاٹ نمبر 38، سروے نمبر 25، اعلیٰ حضرت روڈ، نور باغ، مالیگاؤں

غلام مصطفیٰ رضوی 9325028586
فرید رضوی 9273574090
معین پٹھان 7588815888